105549

آزادی کی گولڈن جبلی کے پرمسرت موقع پر

ہفت روزہ
نئی دہلی

الجمعیۃ

خصوصی اشاعت

ترک موالات نمبر

اگر گورنمنٹ کا منشاء مذہبی آزادی سلب کرنے کا ہے تو صاف اعلان کیا جائے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کرلیں کہ ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا۔ اسی طرح بائیس کروڑ ہندو بھی غور کرلیں کہ ان کو کیا کرنا ہے کیونکہ جب مذہبی آزادی چھینی جائیگی تو سب کی ہی چھینی جائے گی۔ اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن جلادیں، حدیث شریف کو مٹادیں اور کتب فقہ کو برباد کردیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہوں گا۔

”حضرت شیخ الاسلامؒ“
(مقدمہ کراچی کے بیان کا آخری حصہ)

جلد ۱۱ شمارہ ۳۳ ۱۵ تا ۲۱ اگست ۱۹۹۷ء ۱۰ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ Rs 5/- طابع وناشر: (مولانا) اسجد مدنی مرتب: محمد سالم جامعی

تحریک آزادی میں مسلمانوں کا نمایاں کردار

شیخ الاسلامؒ کی تصنیف "نقش حیات" کا ایک گرانقدر باب

تحریک آزادی ہند کی ابتدا

تحریک آزادی ہند ۱۸۰۳ء میں شروع ہو کر ۱۹۴۷ء ہندوستان کے آزاد ہونے تک باقی رہی۔ اس کی جنگی کارروائی صوبہ سرحد میں ۱۸۲۶ء سے شروع ہوتی ہے۔ باقی بیس برس تیاری کرنے اور تمام لوازمات کے پورا کرنے میں خرچ ہوئے ہیں۔ چھ برس متواتر جنگ رہی اور بہ کثرت فتح مندی ہوئی۔ ۱۸۳۱ء میں اپنوں کی غداری کی وجہ سے سید صاحب، مولانا محمد اسماعیل صاحب اور بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے۔ لیکن ایک جماعت مسلمان مجاہدین کی پھر بھی وہاں باقی رہی۔ وہ مایوس نہیں ہوئی۔ اس جماعت کی تعداد ہزاروں سے بڑھ کر بعض اوقات لاکھوں تک پہنچ جاتی تھی۔

عام مسلمانان ہند میں وہی جذبہ اور جوش آزادی اور جہاد کا اس قدر زوروں پر قائم تھا کہ رنگروٹ مہیا کرتے تھے۔ مالی امداد نہایت مخفی طریقوں پر سالہا سال تک جاری کئے رہے۔ گورنمنٹ برطانیہ انتہائی سختی سے ان سب کو چلانا چاہتی تھی۔ مگر باوجود شدید مظالم اور زمانہ کی درازی کے کامیاب نہیں ہو پائی۔ ڈاکٹر ہنٹر ۱۸۵۲ء کے متعلق لکھتا ہے:

"روپیہ اور آدمی ہمارے علاقہ سے ستیانا کیمپ کو متواتر جا رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط و کتابت بھی پکڑ لی تھی۔ مجاہدین نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری چار دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی اور ہمسب آبادی کے بہت ہی قریب تھی۔ اگر وہ ہمارے صوبہ پر چڑھائی کرتے تو یہی رجمنٹ تھی جو سب سے پہلے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی جاتی۔ ان خطوط سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بنگال سے باغی کیمپ تک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ نظام موجود تھا۔ ۱۹۵۳ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے۔"

(ہندوستانی مسلمان ۱۴۴) میں لکھتا ہے:

۱۸۶۴ء کا سیاسی مقدمہ غداروں کا جوش ٹھنڈا کرنے میں ویسا ہی ناکام ثابت ہوا جیسا کہ ۱۸۶۳ء کی تادیبی مہم، ان کے اندروں اختلافات نے کچھ سالوں تک انھیں سرحد پر خاموش رکھا۔ مگر اس کے باوجود ہمارے علاقہ میں جہاد کی تبلیغ بدستور جوش و خروش کے ساتھ مشرقی بنگال کے ہر ضلع میں بغاوت کی ہر دوز گئی تھی۔ دریائے گنگا کی وادی میں پٹنہ سے لے کر سمندر تک کے مسلمان کسان مجاہدین کے کیمپ کے لئے ہفتہ واری امداد کے نذرانے مخصوص کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ سرحد پر تباہ کر جنگیں اور اندرون ملک میں عدالتیں سزائیں اس قابل نہ ہوئیں کہ مجاہدین کے اتحاد کو توڑ سکیں۔ (نقش حیات ص-۷۳ ج-۲)

تحریک آزادی ہند میں مسلمانوں کی جانبازی

مسلمانوں کے حد درجہ جدوجہد اور تحریک آزادی ہند میں جانبازی اور سرفروشی کس قدر عظیم الشان کس قدر بلندی پر پہنچی ہوئی تھی اور کس قدر پرانی ہے۔ کیا کوئی دوسری جماعت اس کے مقابلہ میں تاریخی اعتبار سے اپنا یا اپنی جماعت کا نام پیش کر سکتی ہے:

۱۔ یہ جماعت ۱۸۰۳ء میں وجود میں آئی۔

۲۔ اس جماعت نے کھلے بندوں آزادی کی تحریک کی اور کھلے بندوں لوگوں کو جہاد کی تلقین کی۔

۳۔ اس جماعت کا مقصود فرقہ وارانہ آزادی نہ تھا۔

۴۔ اس جماعت کا مقصد خود حکومت کرنا نہ تھا۔

۵۔ اس جماعت نے ملک کے اکثر حصہ میں دورہ کر کے آزادی کا جوش و خروش پیدا کیا۔

۶۔ اس جماعت نے باقاعدہ تنظیم کی، ہر ہر ضلع، صوبہ اور قصبات وغیرہ میں مراکز بنائے اور عہدہ دار مقرر کئے۔

۷۔ یہ جماعت سرحد تک کئی ہزار میل سفر کر کے جب کہ ریل، ہوائی جہاز اور موٹریں نہ تھیں۔ ہر قسم کی تکلیف جھیلتی ہوئی ہزاروں جاں فروشوں کو لئے ہوئے پہاڑوں، دشوار گذار دروں اور ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے براہ سندھ قندھار و کابل ہوتے ہوئے صوبہ سرحد میں خیبر پہنچی ہے۔ (کیونکہ انگریزوں نے کسی دوسرے راستے سے جانے نہیں دیا تھا) اور آزادی کی جدوجہد عملی طور پر شروع کرتی ہے۔

۸۔ یہ جماعت غریبوں کی ہے۔ اس کے پاس رسد وغیرہ کا پورا سامان نہیں ہے۔ فاقوں پر موٹا جھوٹا، آدھا پیٹ کھانوں پر گذر کرتی ہے۔ پھر دشمن پر یلغار کرتی ہے۔

۹۔ اس جماعت کی پارٹیاں تقریباً ڈیڑھ ہزار میل سے مالی اور جانی امداد کرتی ہیں مگر پھر بھی یہ نظام جاری ہے۔

۱۰۔ یہ جماعت انگریزوں کی طرف سے ہر قسم کی ہلاکتوں اور ایذاؤں کا نشانہ بنتی ہے۔ مگر آزادی کی جدوجہد اور انگریز دشمنی سے باز نہیں آتی۔

۱۱۔ اس جماعت کو سرحدی قبائل نے انگریزی سازشوں میں آکر برباد کرنا چاہا۔ اس کے امام کو زہر دے دیا۔ میدان جنگ میں غدر کیا۔ کئی مرتبہ متفق ہو کر اس جماعت کے منتشر افراد کو جہاں پایا قتل اور شہید کیا۔ دشمنوں سے مل گئے۔ مگر یہ سخت جان جماعت آزادی کی متوالی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمی رہی۔

۱۲۔ انگریزوں نے بار بار اس پر چڑھائی کی، اس کے گھر بار کو بزعم خود جلا کر اور قتل کر کے چلے آئے مگر پھر بھی وہ باقی رہے اور لڑائیوں میں پچاس ہزار ساٹھ ہزار حتیٰ کہ ایک لاکھ تک مردان میدان انگریزوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتی ہے۔

۱۳۔ کابل کی جنگ میں ایک ہزار مجاہدین کو انگریزوں کے خلاف افغانیوں کی مدد میں پیش کر دیتی ہے۔

۱۴۔ اس جماعت پر ایک صدی اسی حال میں گذری، یہاں تک کہ ہندوستان آزاد ہو گیا۔

۱۵۔ اس جماعت کا مقصود غیر وطنیوں کو نکالنا اور ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم کرنا تھا۔ (نقش حیات ص-۳۸، ج-۲)

تحریک حریت میں رازداری

اس تحریک میں رازداری، اخلاص اور دیانت داری اعلیٰ پیمانہ پر تھی۔ بے شمار مقدمات چلائے گئے۔ ہر قسم کی شیطانی تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔ مگر انگریزوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مجاہدین اور ان کے مددگار مسلمان و شریف النفس اور شریف اخلاق والے لوگ تھے جن کو ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر مجبور ہو کر بار بار انتہائی تعریفی کلمات سے یاد کرتا ہے۔ مگر ان کو ہر طرح ستایا گیا، ان کو سخت سے سخت سزائیں دی گئیں، پھانسی، عبور دریا شور، عمر قید، توہین و تذلیل وغیرہ کی گئی۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ ڈاکٹر ہنٹر سے پوچھئے۔

مسلمانوں کے حد درجہ جدوجہد اور تحریک آزادی ہند میں جانبازی اور سرفروشی کس قدر عظیم الشان کس قدر بلندی پر پہنچے ہوئے تھے اور کس قدر پرانی ہے۔ کیا کوئی دوسری جماعت اس مقابلہ میں تاریخی اعتبار سے اپنا یا اپنی جماعت کا نام پیش کر سکتی ہے۔

غزل

منور بستوی

ملے جو منزل دار و رسن تو کیا ہوگا
حیات اوڑھ کے نکلے کفن تو کیا ہوگا

جو راز، راز میں، اب تک رہا مرے ہمراز
کھلا وہ راز سر انجمن تو کیا ہوگا

سفر سے پہلے مسافر کو سوچ لینا ہے
سفر میں آئی جو یاد وطن تو کیا ہوگا

یہ سوچنا ہے گرفتار ہونے سے پہلے
قفس میں آیا خیال چمن تو کیا ہوگا

ابھی تو آپ چھڑاتے ہیں اپنے دامن کو
سنبھل گیا مرا دیوانہ پن تو کیا ہوگا

جنون عشق میں چھوئے جو اپنے ہاتھوں سے
مرا دماغ تمہارا بدن تو کیا ہوگا

بکھر گیا جو نہ پاکر کبھی منور کو
تمہارے ہاتھ پہ خون سخن تو کیا ہوگا

ہندی میں قرآن شریف کی پہلی تفسیر

۱۰ سال کی کوشش کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے بہت آسان ہندی زبان میں قرآن کی تفسیر کو پیش کیا ہے۔ ہندی میں یہ پہلی تفسیر دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ساڑھے پندرہ سو صفحات ہیں۔

۵ فیصد کمیشن کے ساتھ ۴۰۰ روپے میں دستیاب ہے

پتہ: جمعیۃ علماء ہند ۱ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

PH: 3311455-3317729

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

جواہر القرآن

سورۂ مائدہ ـــ ۵

ترجمہ آیت ـــ ۱۱۱ ـــ حضرت شیخ الہندؒ

• اور جب میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

۱۵ر اگست ایک تاریخ ساز دن

۱۵ر اگست ۱۹۹۷ء کا دن آزاد ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے، اس دن ہندوستان کی آزادی کے پچاس سال پورے ہو گئے ہیں۔ اسی نسبت سے ہماری حکومت اور بہت سے عوامی اداروں نے بھی اس دن کو گولڈن جبلی کے طور پر منایا اور آنے والے سال کو گولڈن جبلی سال کی حیثیت سے منانے کا پروگرام ہے، اس طرح آئندہ ایک سال تک سرکاری و عوامی سطح پر آزادی کے عنوان پر ایسے بہت سے مختلف پروگرام منعقد ہوتے رہیں گے جن کے ذریعہ جدوجہد آزادی میں ہندوستانی عوام و خواص کی قربانیوں کی یاد تازہ کی جائیگی۔

ہندوستان کو انگریزی سامراج سے نجات دلانے کے لئے جن لوگوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر جدوجہد کی اور اپنی جان، مال کا نذرانہ دیکر ملک و قوم کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا۔ بلاشبہ وہ اس لائق ہیں کہ انہیں مسلسل یاد کیا جاتا رہے، ساتھ ہی ان تحریکوں اور تنظیموں کا بھی تعارف کرایا جاتا رہے، جن کے ذریعہ آزادی کا حصول ممکن ہو سکا۔

یہ بات تاریخ کے اوراق کا ایک جلی عنوان بن چکی ہے کہ آزادی کی تحریک میں مسلمانوں نے ہمیشہ ہراول دستہ کا کام انجام دیا، انگریزی سامراج کے خلاف ہندوستانی مسلمان اس وقت آزادی کا بگل بجا چکے تھے جب ہندوستان کی دوسری قومیں آزادی اور حریت کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھیں۔

اسے سیاست کی خود فریبی کہا جائے یا تاریخ کے ساتھ دسیسہ کاری کہ آج ہمارے ارباب سیاست و صحافت آزادی کی تاریخ کے تانے بانے ۱۸۸۶ء میں ایک انگریز کے ہاتھوں قائم ہونے والی اس کانگریس سے جوڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں جس کا مقصد قیام ہی انگریزی سامراج کے سایۂ عاطفت میں ہندوستانی خواص کے لئے کچھ معمولی رعایتیں حاصل کرنا تھا، حالانکہ مسلمانان ہند اور ان کے قائد علماء کرام آزادی ہند کی تحریک اٹھارویں صدی کے نصف اول میں اسی وقت شروع کر چکے تھے، جب یوروپ کے یہ لٹیرے تاجروں کے بھیس میں ہندوستان میں داخل ہوئے ۱۷۳۱ء میں مرد حق آگاہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فک کل نظام کا وہ انقلاب انگیز نظریہ دیا جس کا مقصد ہی ملک کے زوال پذیر سیاسی و اقتصادی نظام میں ہمہ گیر و ہمہ جہت انقلاب برپا کر کے اسے اس لائق بنانا تھا کہ وہ غیر ملکی دسیسہ کاروں اور تاجروں کے بھیس میں ان لٹیروں سے ملک کو نجات دلا سکے۔ حضرت محدث دہلویؒ کی یہ ہی آواز تھی جس کی صدائے بازگشت سرنگاپٹنم میں سلطان ٹیپو کے ایوانوں میں سنی گئی اور جسے بروئے کار لانے کے لئے ۴ مئی ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو جام شہادت نوش کرنا پڑا یہ ہی وہ سیاہ دن تھا جب سلطان شہید کی خون میں لت پت لاش کو دیکھ کر انگریز فوجی جرنل نے کہا تھا "آج ہندوستان ہمارا ہے" اور چار سال بعد ۱۸۰۳ء میں جب انگریزی سامراج نے اعلان کیا کہ "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا" تو خانوادۂ ولی اللہی کے چشم و چراغ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے وہ تاریخی فتویٰ صادر فرمایا جس کا ایک ایک لفظ جہاد حریت کی منہ بولتی تصویر نظر آ رہا ہے اور جس نے مسلمانوں کے سینوں میں ایک ایسا جذبۂ حریت بھر دیا تھا جس نے پہلے معرکۂ بالاکوٹ کو جنم دیا اور پھر تاخیر سے ہی سہی ٹھیک چوتن سال بعد ۱۸۵۷ء کے اس جہاد حریت کو وجود بخشا، جو اگر اپنی بعض کمزوریوں اور نامکمل تیاریوں کی وجہ سے ناکام نہ ہو گیا ہوتا تو آج ہندوستان کی کچھ اور ہی تاریخ ہوتی۔

۱۸۵۷ء کے معرکۂ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزی سامراج کی نظر میں سب سے زیادہ معتوب مسلمان تھے، خاص طور پر کسی مسلمان کا داڑھی اور کرتے والا ہونا بغاوت کے مترادف تھا چنانچہ ناکامی کے بعد صرف پہلے پندرہ دنوں میں دو لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا جن میں ساڑھے اکیاون ہزار صرف علماء کرام تھے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۵ء کے باسٹھ سالہ دور میں مسلمانوں نے کم از کم چار مرتبہ تلوار اور دست و بازو کا سہارا کر انگریزی سامراج کے خلاف منظم تحریک شروع کی لیکن افسوس کہ وہ برطانوی سامراج کی مسلح طاقت کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۸ر ستمبر ۱۹۱۵ء کو آزادی ہند کے سرخیل حضرت شیخ الہندؒ انگریزی سامراج کے خلاف اپنی خفیہ تحریک کو بروئے کار لانے کی غرض سے حجاز کے لئے روانہ ہو گئے۔ لیکن اس تحریک کا راز فاش ہو جانے کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا، یہ ہی وہ تحریک ہے جسے ریشمی رومال تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ریشمی رومال تحریک جدوجہد آزادی کی آخری تحریک ہے جس کے ذریعہ حریت کے پروانوں نے انگریزی سامراج کو اس کی زبان میں جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

۸ر جون ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء تین برس سات مہینوں کے بعد مالٹا سے رہا ہو کر بمبئی پہونچے جن کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ان استقبال کرنے والوں میں تحریک خلافت کے راستہ سیاست میں نئے نئے نمودار ہونے والے موہن داس کرم چند گاندھی بھی تھے، جنہیں بعد میں مہاتما گاندھی کے نام سے یاد کیا گیا۔

مالٹا سے حضرت شیخ الہندؒ کی واپسی کے بعد تحریک آزادی میں ایک نیا موڑ آیا اور اب تک جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قوت بازو کے استعمال کو اہمیت حاصل تھی اس سے ذرا ہٹ کر ایسے اقدامات کو اہمیت دی گئی جن کی سیدھی ضرب انگریزی سامراج کی مالی و اقتصادی پالیسیوں پر پڑے اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی ترک موالات کی وہ تحریک ہے جس کے ذریعہ حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں جمعیۃ علماء ہند نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ مسلمان کا انگریزی فوج میں شامل ہونا حرام ہے۔ اور جن مسلمانوں کو غاصب برطانوی حکومت نے عہدے اور اعزازات دے رکھے ہیں انہیں فوراً واپس کر دیا جائے۔ یہی وہ تحریک ہے جس کے ذریعہ دشمنان اسلام کو تجارتی و اقتصادی نفع پہونچانے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ دراصل اس تحریک کا اصل سرچشمہ وہ فتویٰ ہے جو ملک کے چار سو چوہتر جید علماء کرام کے دستخطوں سے جاری ہوا اور جسے فتویٰ ترک موالات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہی وہ تحریک ہے جس نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی جیسی مسلم تعلیمی یونیورسٹی کو جنم دیا جس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ اپنی پیرانہ سالی، بیماری اور ضعف و نقاہت کے باوجود دیوبند سے علی گڑھ تشریف لے گئے یہ ہی وہ تاریخی تحریک ہے جس نے ایک طرف مشہور مقدمۂ کراچی کو جنم دیا جس کے ملزمین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علی مولانا نثار احمد کانپوریؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور میر غلام مجددی مٹیاروی جیسے علماء امت و زعماء ملت کو دو دو سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ اور دوسری طرف وہ مقدمۂ کلکتہ وقوع پذیر ہوا جس میں امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ کو ایک سال قید زنداں میں رہنا پڑا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی کا یہ ایسا عظیم واقعہ ہے جس پر ہندوستان کے مسلمان جتنا بھی فخر کریں کم ہے اس لئے کہ جب کانگریس اور اس کے رہنما سوچ ہی رہے تھے کہ انگریز کے پنجۂ استبداد سے ملک کو کیسے نجات دلائی جائے جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر نے آگے بڑھ کر ترک موالات کا اعلان کر دیا جس نے سب کو حیرت میں ڈال دیا اس کے بعد کانگریس بھی اس تحریک میں شامل ہو گئی اور ہندو مسلمانوں کے تعاون سے اسے آگے بڑھایا

آج مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کی اس اہم تحریک کو ہر سطح پر فراموش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ آزادی کی گولڈن جبلی کے موقع پر اس طرح کی تحریکوں کی یاد تازہ کی جائے، خاص طور پر ایسے وقت میں جب کہ شر پسند اور فرقہ پرست طاقتیں اسی بات پر اپنی توانائیاں صرف کرنے میں لگی ہوئی ہیں کہ تحریک آزادی کی تاریخ سے مسلمانوں کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا جائے جس کے لئے انہیں بعض ان کالی بھیڑوں کی بھی سرپرستی حاصل ہے جو اس وقت اقتدار کے ایوان تک پہونچنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔

آزادی کی پچاسویں سالگرہ کے پر مسرت موقع پر ہم ہفت روزہ الجمعیۃ کا یہ خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں جس کا عنوان ہم نے اسی تحریک کو بنایا ہے، اس مختصر اشاعت میں ہم تحریک کے تمام گوشوں کو تو اجاگر نہیں کر سکے ہیں تاہم اس بات کی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ تحریک کے اہم اجزا مسلمانوں کے سامنے آ جائیں۔ امید ہے ہمارے قارئین ہماری اس کوشش کو پسند فرمائیں گے۔

جب ہندو مسلم مل کر
فرنگی سامراج کے خلاف سینہ سپر ہو گئے

مفتی عمیر عالم قاسمی

حب الوطنی مسلمان کے ایمان کا جز ہے۔ وطن سے محبت اور فطری تعلق کا اظہار نبی آخرالزماں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کرتے وقت ان الفاظ میں فرمایا:

"اے مکہ خدا کی قسم روئے زمین میں تو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اگر میری قوم تیرے اندر سے مجھے نہ نکالتی تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔"

اس اسوۂ رسولؐ سے امت کو مکمل رہنمائی ملی کہ وہ جس ملک میں رہیں اس امر کے پابند ہوں گے کہ وہ اس ملک کے وفادار رہیں اور اپنے لئے غیر ملکی اقتدار پسند نہ کریں۔ مزاج شریعت سے آشنا، حاملین علوم نبوت، دینی رہنما اور مذہبی قائد علماء کرام نے اس فریضہ کو اچھی طرح سمجھا اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی کی سربراہی کی اور اس میدان میں ایسی عظیم الشان خدمات انجام دیں جس کو اگر غیر جانبداری اور انصاف پسندی سے دیکھا جائے تو بہت سے نام نہاد قد آور قومی لیڈر بونے نظر آئیں گے۔

جس وقت سلطنت مغلیہ کا چراغ بجھ رہا تھا اور ہندوستان کو انگریزی سامراج کا خونی پنجہ دھیرے دھیرے اپنے شکنجے میں کس رہا تھا ایسے وقت میں علم و عمل کے آفتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایک انقلابی جماعت کو جنم دیا اور امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے وضع کردہ نظام کو عملی جامہ پہنانے سے قبل ہی رخصت ہو گئے۔ آپ کے جانشین اور فرزند ارجمند سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اس مورچہ کو سنبھالا اور انگریزی خیمہ میں ہلچل مچاتے ہوئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور فرنگیوں سے جہاد کا اعلان کر دیا اور خود مجاہدین کی ایک جماعت تیار کی اور اس سلسلہ میں فخر رائے بریلی حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ نے دست راست کا رول نبھایا اور صوبہ سرحد کو مرکز بنا کر آزادی وطن کی کوششوں کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ آزادی کی شکاف اور پرخار وادیوں میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے خون سے آزادی کی تحریک کی آبیاری کی اور آنے والی نسلوں کو ایثار و وفاداری کا درس دے گئے۔ اس کے بعد علماء صادق پور نے اپنی قربانیوں سے تحریک آزادی میں ایک نئی جان ڈال دی اور تاریخ میں وطن کے لئے وفاداری کے انمٹ نقوش ثبت کر گئے۔

حصول آزادی کی سب سے بڑی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء میں کی گئی جس کی قیادت و رہنمائی علماء کرام کر رہے تھے۔ بغاوت بظاہر ناکام ہو گئی لیکن یہی بغاوت آگے چل کر تحریک آزادی کے لئے شمع رہنمائی ثابت ہوئی۔ اس بغاوت کی ناکامی کے بعد مسلمان خصوصاً علماء کرام انگریزوں کی نظروں میں خار بن کر کھٹکنے لگے۔ ان کی ہر حرکت پر نظر رکھی جانے لگی۔ ان کو ذلیل کرنے کے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جانے لگے اور حوصلوں کو توڑنے کے لئے صرف دہلی میں ۲۷۰۰۰ مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا جس میں اکثریت علماء کرام کی تھی اور یہ حکم دے دیا گیا کہ ہر لمبے کرتے اور داڑھی والے کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

اس بغاوت کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کا براہ راست میدان جنگ میں انگریزوں سے مقابلہ مشکل ہو گیا اور جب جان و مال کے ساتھ ساتھ مذہب کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا تب علماء کرام نے حالات کی نزاکت سمجھتے ہوئے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا، کے سلسلے میں بانی دارالعلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا تھا:

"دیوبند کوئی مدرسہ نہیں ہے بلکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی ہے۔"

درحقیقت یہ مدرسہ مجاہدین حریت کی ایک چھاؤنی تھا جس نے علماء کرام کی شکل میں تحریک آزادی کے حوالوں کی ایک ایسی عظیم جماعت تیار کی تھی جس کا ایک ایک فرد پوری فرنگی فوج میں زلزلہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھا۔ ان مجاہدین میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلویؒ، مجاہد جلیل مولانا عبیداللہ سندھی، سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ اور قائد ملت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جیسی وطن دوست ہستیاں پیدا کیں جن کی بے پناہ اور شب و روز کی کاوشوں کے صلہ میں ہم آج ہندوستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ عام مسلمان انگریزوں کو ملک سے نکالنے کی اہمیت کو سمجھیں اور اس میں بھرپور تعاون دیں۔ اس فتویٰ کے بعد انگریزوں سے جہاد کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہو گیا۔ اس فتویٰ نے ہندوستان کے طول و عرض میں آگ لگا دی اور ہر مسلمان انگریزی سامراج کے خون کا پیاسا نظر آنے لگا۔

عظیم مجاہد آزادی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے آزادی ہند کے لئے "ریشمی رومال" تحریک چلائی جس کا لائحہ عمل یہ تھا کہ صوبہ سرحد کے آزاد قبائل، افغانستان، ایران اور ترکی کی مدد سے ہندوستان پر باہر سے حملہ کرایا جائے اور ہندوستان کے مسلمان باغی ہو کر ملک کے اندر خانہ جنگیں چھیڑ دیں۔ اس طرح فرنگی سامراج کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس منصوبہ پر عمل کرنے کے لئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کابل گئے اور خود حضرت شیخ الہندؒ مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے ترکی جانے کا ارادہ تھا مگر بدقسمتی سے انگریزوں کے ہاتھوں یہ خفیہ تحریریں لگ گئیں اور انھوں نے شریف مکہ کی مدد سے مولانا محمود الحسن صاحبؒ، مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ اور مولانا عزیز گلؒ وغیرہ کو گرفتار کر کے مالٹا (کالاپانی) میں قید کر دیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا میں چار سال نظر بند رہے۔ شروع میں اس قید خانے میں حضرت شیخ الہندؒ کو کال کوٹھری میں بند کیا گیا جہاں چاروں طرف لوہے کی سلاخیں اس طرح لگی ہوئی تھیں جس کے اندر آدمی کے لئے کھڑا ہونا بھی مشکل ہوتا تھا اور ادھر ادھر سہارا لینے سے وہ سلاخیں چبھتی تھیں اور جسم کو زخمی کر دیتی تھیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی سرگرمیوں کی نوعیت اسی طرح تھی جو مشہور قومی نیتا سبھاش چندر بوس نے ۱۹۴۲ء میں جاپان و جرمنی کی امداد سے ہندوستان کو آزاد کرنے کے لئے اختیار کی تھی۔ جس طرح نیتاجی نے ۱۹۴۲ء کی عالمگیر جنگ کے دوران ہندوستان کی سرحد امپھال کو اپنا مرکز بنا کر آزادی کا منصوبہ تیار کیا تھا اسی طرح جنگ عظیم کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ نے اس جیسا پروگرام بنایا مگر ملک کی بدقسمتی سے ان دونوں جنگوں میں برطانوی سامراج فتح یاب ہو کر ابھرا۔

۱۹۲۰ء میں مالٹا سے قید و بند کی صعوبتوں کو کاٹ کر واپس آنے پر حضرت شیخ الہندؒ نے محسوس کیا کہ ولی اللّٰہی تحریک کے مطابق مغربی سامراج سے جنگ لینے کا فریضہ دینی اعتبار سے مسلمانوں پر عائد ہوتا تھا اس لئے آزادی ہند کا سارا بوجھ اب تک تنہا ولی اللّٰہی تحریک کے امین علماء کرام نے اپنے سر لے رکھا تھا اور ایک صدی سے زائد مدت سے تن تنہا آزادی کی راہ میں تمام قربانیوں میں پیش پیش رہے اور قائدانہ کردار ادا کرتے رہے لیکن اس وقت کے موجودہ حالات میں صرف مسلمان برطانوی سامراج سے نہیں نمٹ سکتے تھے اور ادھر انگریزوں نے اپنی دیرینہ ڈپلومیسی کے تحت مسلم و ہندو کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی تھی اس لئے علماء کی ایک جماعت نے جس کے سربراہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے کانگریس میں شرکت کا فتویٰ دیا اور حضرت شیخ الہند نے حضورؐ کی مکی زندگی سے عدم تشدد کے حربہ کے استعمال کرنے کی تصدیق فرمادی اور برطانوی سیاست کی تفرقہ بازی کے جواب میں تمام فرقوں کے اتحاد کی طرف قدم بڑھایا۔ حضرت شیخ الہند کی شرکت سے ہندو مسلم شانہ بہ شانہ مل کر فرنگی سامراج کے خلاف نبرد آزما ہو گئے اور حضرت شیخ الہندؒ کی ہی ایماء پر گاندھی جی کو میدان سیاست میں لا کھڑا کیا گیا اور قومی لیڈر کی حیثیت سے ملک میں متعارف کرایا گیا۔

اس جگہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ موجودہ ہندوستان کے بابائے قوم گاندھی جی: جن کے قد آور بت ہندوستان کے چپے چپے پر نصب ہیں ان کو گاندھی سے مہاتما گاندھی بنانے والا بھی ہندوستان کا ایک مشہور عظیم عالم ہے جس کو دنیا حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محل کے نام سے جانتی ہے۔

عدم تشدد کے فارمولے کو زیادہ موثر بنانے اور سیاست میں عملی شرکت کے لئے علماء کرام نے ایک علٰحدہ جماعت کی ضرورت کو محسوس کیا اور مولانا مفتی اعظم کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا احمد سعیدؒ جیسے اکابرین نے جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی۔

جمعیۃ علماء ہند نے کھلے عام کانگریس کا ساتھ دیا اور آزادی کی تمام تحریکوں میں شرکت کی اور جنگ آزادی میں کلیدی رول ادا کیا۔ اس سلسلے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اگر تحریک آزادی میں جمعیۃ علماء ہند کی شرکت نہ ہوتی تو آزادی کا خواب شاید اتنی جلد شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

آج مؤرخین آزادی کو بیان کرتے وقت کانگریس کو ہی آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں حالانکہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے ہندوستان کی مکمل آزادی کا اعلان کوکناڈا میں جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کرتے ہوئے اس وقت کر دیا تھا جب کہ کانگریس کے بڑے بڑے رہنما ہوم رول قبول کرنے پر آمادہ تھے اور کانگریس نے مکمل آزادی کا مطالبہ اس کے چھ سال بعد اپنے لاہور کے سالانہ اجلاس میں کیا

آزادی ہند کے حقیقی ہیرو حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نے اپنی پوری زندگی اس عظیم عشق کی تکمیل میں صرف کر دی جس کی گواہی مالٹا، سابرمتی، کراچی، مراد آباد، نینی اور الہ آباد کی وہ کال کوٹھریاں دیں گی جہاں اس عظیم مجاہد آزاد کو مصائب و شدائد کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ اس مرد مجاہد نے ۹ر جولائی ۱۹۲۱ء میں لاہور کی خلافت کانفرنس میں ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا تھا کہ:

"گورنمنٹ برطانیہ کی ملازمت اور اس میں بھرتی کی تلقین اور ہر قسم کی اعانت حرام ہے۔"

اور جب اس جرم کی پاداش میں کراچی کی عدالت میں جج نے پوچھا تو فرمایا:

"اگر گورنمنٹ ہماری مذہبی آزادی چھیننے کو تیار ہے تو مسلمان جان تک قربان کر دیں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جان کو نچھاور کر دے گا۔"

اس جرأت و بے باکی کو دیکھ کر فخر ہند

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

ترک موالات کا وہ فتویٰ جس نے برطانوی سامراج کی نیند حرام کردی

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین مسائل مفصلہ ذیل میں :

نمبر-۱ : موالات کا کیا مفہوم ہے اور شرعاً اعدائے دین واسلام سے کس قسم کی موالات حرام اور ترک موالات واجب ہے اور جو شخص مسئلہ سے واقف ہونے کے بعد موالات رکھے اس کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

نمبر-۲ : کیا گورنمنٹ ہند کی کونسلوں کی ممبری، پیشہ وکالت ومختار کاری وغیرہ سرکاری یا نیم سرکاری کالجوں، اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا یا بچوں کو تعلیم دلانا، گورنمنٹ سے تعلیم میں مدد (گرانٹ ایڈ) لینا، آنریری مجسٹریٹی وخطابات عطیہ گورنمنٹ قبول ومنظور کرنا بھی موالات میں داخل ہیں ؟

نمبر-۳ : گورنمنٹ کی فوجی اور غیر فوجی ملازمتیں جن سے نظام حکومت استوار ومحکم رہتا ہو کیا حالت موجودہ میں مسلمانوں پر حرام ہے ؟

نمبر-۴ : انگریزی مال کا استعمال جس سے انگریزی قوم کو قوت حاصل ہوتی ہے کیا حالت موجودہ میں ممنوع ہے ؟

نمبر-۵ : کیا غیر مسلم جو دشمنی پر آمادہ نہ ہو اس سے تمدنی اتحاد اور اس سے کسی معاملہ میں استعانت شرعاً جائز ہے ؟

نمبر-۶ : کیا غیر مسلم کے مشورۂ نیک کو کسی دینی مقصود کے حصول کے لئے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا جو بظاہر ایک غیر مسلم کی اتباع وپیروی سمجھی جاتی ہے شرعاً جائز ہے ؟

ہر سوال کا جواب نمبر وار نہایت واضح اور مختصر لیکن مدلل ہونا چاہیے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب هو الموفق للصواب

☆ جواب نمبر ۱ : لفظ موالات محاورۂ عرب واصطلاح شرع میں بمعنی محبت (دوستی) ومناصرہ (باہمی امداد) مستعمل ہوتا ہے۔ تمام کتب تفاسیر میں اس کی تشریح وتوضیح موجود ہے اور اعدائے دین سے موالات باعتبار دونوں معنی کے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام سے مطلقاً موالات رکھنے سے منع فرمایا ہے، ظاہراً یا باطناً، بالاجرت یا بلا اُجرت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

انما ینهکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاهروا علیٰ اخراجکم ان تولوهو ومن یتولهم فاولئك هم الظالمون. (سورۂ ممتحنہ)

(ترجمہ) جن کافروں نے دین کے معاملہ میں تم سے قتال کیا، تم کو اپنے ممالک سے بے دخل کردیا اور تمہارے اخراج وبے دخل کرنے میں مدد دی، ان سے دوستی اور باہمی امداد کرنے سے خدا تم کو روکتا ہے اور جو لوگ ایسے کفار سے موالات رکھیں، وہ سب ظالم ہیں۔

جو مسلمان باوجود واقفیت اس مسئلہ کے ان سے موالات رکھے، سخت گناہ گار اور بالفاظ قرآن کریم ظالم ہوگا۔ اللہ جل جلالہ سورہ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے :

یا ایها الذین آمنوا لاتتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیا. بعضهم اولیا. بعض ومن یتولهم منکم فانه منهم ان الله لا یهدی القوم الظالمین.

(ترجمہ) اے مسلمانو! یہود ونصاریٰ (دشمنان دین) کو دوست اور مددگار نہ بناؤ، وہ لوگ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ تم میں کا جو شخص ان کو دوست بنائے گا اسی زمرہ میں محسوب ہوگا کیونکہ اللہ پاک قوم ظالم کو نور ہدایت نہیں بخشتا ہے۔

موالات کفار کے متعلق شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ کا ایک بہت بڑا مفصل فتویٰ ہے جس کے بعض فقرات یہ ہیں :

"درباب موالات کفار آنچہ فقہا نوشتہ اند تفصیلے می خواہد در شرح عین العلم واحیاء العلوم مطالبہ فرمودہ باشند حاصلش آنکہ موالات بمعنی دوستی اگر من جہۃ الدین آنہا متحقق شود بالاجماع کفر است وباعتبار دنیا اگر اختیاری ایں شخص است پس حرام است بمعنی ان تعاطی اسبابها حرام۔

واما حکم موالات بمعنی معاونت ومناصرۃ مبنی است بر اصلی مقرر وهو ان الاعانة علی الکفر والمعصیة معصیة لتفاقاً. لقوله تعالیٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان۔ ویں معاونت گاہے باجرت میباشد وآں را در عرف چاکری می گویند وگاہے بے اجرت می باشد آنرا مدد وکمک میگویند وحکم ہر دو قسم واحد است۔ یعنی اگر کفار خواہند کہ با مسلمانے قتال کنند یا ملکے یا بلدے از اہل اسلام تصرف نمایند نوکری آنہا حرام ومدد وکمک نیز حرام بلکہ کبیرہ است واگر باہم قتال کنند، یا برائے جمع مال وبندوبست ملکی کہ از سابق در تصرف خود دارند مسلمان را نوکر گیرند نظر بظاہر شرع اباحت است قیاسا علی سائر الاجارات مثل الخیاطة والتجارة وغیرهما کیف و قد ثبت عن الاکابرانهم اجروا وانفسهم من المشرکین. لیکن عند التعمق آں ہم خالی از حرمت نباشد خصوصاً در یں زمان زیرا کہ چاکری انہا بسیار وشناسان رانخیلے موجب مفاسد دینی میگردد واقل مفاسد دینی میگردد واقل مفاسد مداہنت است وترک انکار بر افاعیل منکرۂ ایشاں ومناصحت وخیر خواہی ایشاں وتکثیر سواد وتقویت شوکت وتعظیم مفرط ایشاں وخداوند صاحب وقبلہ گفتن واظہار محبت مفرط الیٰ ماہالیٰ ذلک۔

☆ جواب نمبر ۲ : یہ ساری چیزیں موالات میں داخل ہیں کیونکہ ان امور سے ظاہراً حکومت کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور باطناً امداد بھی۔ اس لئے بنا بر حکم ترک موالات ان سب امور سے علیحدگی واجب اور حکم ترک موالات کے علاوہ دیگر مفاسد کی بنا پر بھی ان سب کا ترک کرنا مسلمانوں پر واجب۔ اس اجمال کی مفصل یہ ہے :

ترک کونسل کے وجوہ حسب ذیل ہیں

الف : کونسل قانونی ہو یا انتظامی اس کا مقصد نظام حکومت کا استحکام وانصرام ہے جو کھلم کھلا حکومت کی معاونت ہے۔

ب : کونسل میں اکثر غیر شرعی قوانین وضع کئے جاتے ہیں جن کی تحریک یا تائید اس اس پر سکوت باوجود قدرت مخالفت کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده وان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه۔ مگر مسلم ممبران کونسل یہ سب کچھ کرتے ہیں جس کے شواہد واقعات ماضیہ اور خود موجودہ قوانین کا نفاذ ہے۔

ج : کونسل میں قوم انگریزی بھی ہوتی ہے جو ظالم ودشمن دین ہے اور ایسی قوم کے ساتھ اعزازی نشست شرعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین۔ (ترجمہ) پس یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مل کر نہ بیٹھو۔

د : کونسل میں ممبران کے لئے حکومت کی وفاداری واطاعت شعاری وبہی خواہی کی قسم کھانا بھی ضروری ہے اور حالت موجودہ میں اپنی خوشی اور اختیار سے حکومت کی وفاداری واطاعت شعاری وبہی خواہی مسلمانوں پر حرام ہے۔ اس لئے وفاداری کی قسم شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

پیشہ قانون کے حرام ہونے کے وجوہ حسب ذیل ہیں

الف : قانون پیشہ اصحاب حکومت کے نصف نظام یعنی شعبہ انتظامی کو قائم رکھنے والے ہیں اور اس کے قوانین کو عملاً نافذ کراتے ہیں جو حکومت کی بہت بڑی مدد ہے۔ جس کی حرمت ثابت ہو چکی ہے۔

ب : حکومت کے اکثر قوانین دیوانی وفوجداری خلاف قوانین شرع ہیں، جن کی ترویج اور اس پر عملاً کرانا قانون پیشہ اصحاب کا خاص کام ہے جو سراسر معصیت ہے۔

ج : ہر قانون پیشہ اکثر اوقات قصداً محض التزام پیشہ کی وجہ سے مظلوموں کے خلاف اور ظالموں کی موافقت میں کام کرتے ہیں جو سراسر ظلم اور تائید معصیت ہے۔

د : مقدمہ کو قانونی دائرے میں لانے کے لئے قصداً جھوٹ بولنے کی تعلیم وترغیب جو ایک سخت جرم ہے۔ اکثر وکلا محض اس پیشہ کی وجہ سے حکم خدا چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں اور مداہنت کرتے ہیں۔

سرکاری یا نیم سرکاری مدرسوں، کالجوں اسکولوں میں ترکِ تعلیم وتعلم کے وجوہ حسب ذیل ہیں

الف : اس تعلیم سے مقصود حکومت کی ملازمت یا قانونی پیشہ کرنا ہے، جو داخل موالات محرمہ ہے۔

ب : علاوہ مقصود مذکورہ مروجہ تعلیم وتربیت مستلزم دیگر مفاسد، غلبہ حب دنیا

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

مسلمان فوجی اتحادیوں کی کسی طرح کوئی مدد نہ کریں

کراچی کی خلافت کانفرنس میں تجویز ۶ پیش کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تقریر

حضرات! جس مقصد کے لئے مجھ کو حکم فرمایا گیا ہے اس تجویز کے پیش کرنے کے لئے مجھے حکم دیا گیا ہے، اس کے متعلق میں مختصر الفاظ میں کچھ قرآن اور حدیث کے احکام آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ اس کو میں صراحتاً آپ کے سامنے عرض کروں، اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف تمام مسلمانان عالم کے درمیان میں کس قسم کا رابطہ اور تعلق بیان کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے (عربی ــــ) "مسلمان کہیں ہوں، کسی رنگت کے ہوں، کسی نسل سے ہوں، مشرق کے رہنے والے ہوں، گورے رنگ کے ہوں یا کالے رنگ کے ہوں، کسی قسم کی زبان رکھتے ہوں، ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے غافل ہو سکے۔ یا یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی ایسی حالت میں چھوڑ سکے جس میں اس پر یا اس کی کسی عزت پر یا مال پر صدمہ پہنچتا ہو۔" غرض یہ ہے کہ یہ نص یعنی یہ آیت صاف طور سے دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے میں ایسا تعلق اور ارتباط ہونا چاہئے جیسا کہ ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے ہوتا ہے۔ اس آیت کا جو کہ حکماً نازل فرمائی گئی ہے اس سے مقصد کیا ہے؟ آیا فقط خبر دینا مقصود ہے یا کسی حکم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جن لوگوں نے زبان عربی کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کی ہوگی اور عادات عرب سے واقف ہوں گے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ بھائیوں کے درمیان عرب میں ایک نشان اور ایک ایسا علاقہ رکھا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے بھائیوں کی ایک خصوصیت ظاہر ہوتی ہے کہ جیسی دوسری قرابت میں نہیں ہوتی تھی۔ اس واسطے شاعر کہتا ہے (عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ) اپنے بھائی کو مضبوط پکڑنا چاہئے کیونکہ جس کے پاس بھائی نہیں ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے کوئی جنگ میں بغیر ہتھیار کے جائے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن نے تمام مسلمانوں میں مددگاری کے واسطے اور خیر خواہی کے واسطے اور ہر قسم کی خبر گیری کے لئے ایک ایسی برادری قائم کر دی ہے اور اتنی محبت ہوتی ہے جو کہ ایک باپ اور ایک ماں کی چند اولاد کے اندر ہوتی ہے۔ قرآن اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں بھی خاص طور سے بیان کرتا ہے۔ (عربی ــ) مسلمان مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے یار اور مددگار ہیں۔ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مضمون کا بہت سی احادیث میں صاف طور سے ذکر فرماتے ہیں۔ کہیں ایسی فرمایا جاتا ہے (عربی ــــ) یعنی مسلمان تمام سب کے سب روئے زمین پر کہیں ہوں، مگر سب کے سب ایک جسم کے اعضا کی طرح سے ہیں۔ جیسے کہ آنکھ

تجویز ۶

"آل انڈیا خلافت کانفرنس کا یہ جلسہ ہمارے کمال پاشا اور انگورا گورنمنٹ کو اپنی شاندار فتوحات ونیز شریعت اسلامی کے قائم رکھنے میں نہایت بے باکانہ (یا جان نثاری) جدوجہد میں کامیابی پر دلی مبارکباد دیتا ہے اور یہ جلسہ خدائے جل شانہ سے دست بدعا ہے کہ وہ تمام گورنمنٹوں کی افواج کو سلطنت ترکی کے ہر ایک گوشہ سے باہر نکالنے میں جلد کامیاب ہوں۔"

میں اگر درد ہوتا ہے تو اور باقی جسم میں بھی تکلیف ہوتی ہے، اور اگر پیر میں درد ہوتا ہے سر میں، تمام جسم میں تکلیف ہوتی ہے، نیند نہیں آتی۔ اس طرح سے مسلمانوں کی حالت آپس میں ہونی چاہئے۔ یعنی فرماتے ہیں (عربی ــــ) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس کو رسوا نہ کرو۔ غرض یہ ہے کہ اسلام نے تمام مسلمانوں میں ایک ایسا رشتہ اور رابطہ قائم کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہے۔ غرض یہ ہے کہ اسلام نے اور قرآن اور حدیث نے مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا رابطہ اور اتحاد قائم کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر خواہ کہیں کے ہوں، ہر ایک مسلمان کے حقوق کی بہت قوت کے ساتھ اعانت کرنا ضروری ہے۔

جب کہ یہ بات مختلف احادیث اور آیات میں نہایت قوت کے ساتھ میں بیان کر دی ہے تو اب ہم کو اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آج مسلمانوں کو روئے زمین پر کیا کرنا چاہئے اور جس حالت میں کہ اسلام دوسری جگہوں میں پھنسا ہوا ہے، خلافت جس حالت میں پھنسی ہوئی ہے، جو علمائے اسلام اور مذہب اسلام کی حالت آئے دن ہو رہی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہونا چاہئے اس کو بھی قرآن ہی سے دریافت کرنا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے (عربی ــــ) اے مسلمان تمہارے ساتھ جو لوگ قتال کرتے ہیں، جو لوگ تمہارے ملک کو ہجوم کرتے ہیں، جو لوگ تمہاری عظمت، تمہارے ملک، تمہاری دولت اور تمہاری عزت برباد کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ تمہارے مذہب کو دنیا سے ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ تم لوگ مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ مقابلہ کرو۔ یہ ایک حکم شرعی طور سے فرمایا جاتا ہے۔ اور فرض کر دیا جاتا ہے کہ اگر مخالفین اسلام ہجوم کریں شہرہائے اسلام پر، تو فرض ہے تمام مسلمانوں پر کہ ان کا مقابلہ کریں۔ ان میں کوئی خصوصیت کسی خاص قوم کی نہیں ہے جس کی وجہ سے فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی جانب پر اسلامی شہروں میں سے ہجوم ہو تو تمام مسلمانوں پر بتدریج فرض ہو جاتا ہے۔ اول اس شہر کے رہنے والوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ کفار کا مقابلہ کریں اور دفع کریں اور اگر وہ سستی کریں تو اس شہر کے اردگرد کے رہنے والوں پر یہ حکم فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بھی سستی کریں گے تو ان کے اردگرد کے رہنے والوں پر فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح سے بتدریج آہستہ آہستہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر یہ حکم فرض ہو جائے گا، اور یہ حکم واقع ہو جائے گا کہ تمام سب کے سب اپنی جان سے اور مال سے اور روپیہ پیسہ سے ان کا مقابلہ کریں۔ اس بنا پر اس کی ضرورت ہوئی کہ شہرہائے اسلام پر جو

(باقی صفحہ ۷ پر)

جب تک ملک و مذہب کو بچانے میں آپ پوری طاقت صرف نہیں کرینگے

آپ سوراج حاصل نہیں کر سکتے

مولانا محمد علی جوہر کی تائیدی تقریر

(نقل رپورٹ سی۔ آئی۔ ڈی)

مولانا محمد علی ــــــــ واقعہ ۹ر جولائی بوقت شب

جلسہ آل انڈیا خلافت کانفرنس کراچی میں رزولیوشن نمبر ۶ تحریک تائید کی تقریریں ہونے کے بعد مسٹر محمد علی پریسیڈنٹ نے کہا کہ یہ تحریک جو نہایت اہم ہے جو بڑی ذمہ داری کی تحریک ہے جس پر ہمارا آئندہ طرز عمل منحصر ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر دی گئی۔ اردو میں گفتگو ہوئی۔ سندھی میں گفتگو ہوئی۔ انگریزی میں گفتگو ہوئی۔ قرآن واحادیث کے حوالے دیئے گئے۔ دھرم شاستر کے حوالے دیئے گئے۔ اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ اس کو منظور کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کھڑے ہو کر منظور کریں۔ چنانچہ لوگوں نے کھڑے ہو کر اور ہر طرح کے نعرے لگا کر تحریک کو منظور کیا۔

کسی نے اختلاف ظاہر نہیں کیا۔ اس کے بعد پریسیڈنٹ نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں کہوں کہ یہ تحریک منظور ہوئی، میں کہتا ہوں کہ اس کی اہم ذمہ داری کو منظور کر لیجئے۔ جب تک آپ تمام اپنی قوت کو صرف نہ کر دیں اپنے ملک ومذہب کے بچانے میں اس وقت تک آپ سوراج کو حاصل نہیں کر سکتے۔ نیز سرکاری نوکریوں کو چھوڑنے کے لئے آپ کو تیار ہونا چاہئے۔ اس سے پہلے اگر گورنمنٹ اپنے رویہ کو نہ بدلے تو تو اس کے پہلے دن تمام باتوں کو کرنا ہے۔ سندھ کے لوگوں کو سونے کا وقت نہیں ملے گا۔

اب وقت اس کا ہے کہ ہر ایک جماعت پوری محنت سے پوری کوشش سے کام کرے تاکہ مذہب وملک دونوں کا بچاؤ ہو۔ خداوند کریم ہم کو توفیق دے۔

ہم سب پر فرض ہے کہ متحد ہو کر اتحادی طاقتوں کا مقابلہ کریں

بقیہ صفحہ ۶ سے

بادشاہ اسلام کے قبضہ میں ہیں ان کے اوپر ہجوم کیا گیا تو اس کی وجہ سے خواہ کہیں کے مسلمان ہوں، خواہ ہندوستان کے مسلمان ہوں یا چین کے مسلمان ہوں یا بخارا کے مسلمان ہوں سب کے اوپر فرض ہے کہ ان کی مدد کریں اور کافروں کو ان کے شہروں سے نکالیں۔ فقط یہی نہیں بلکہ دوسری جگہ یہ بھی فرمایا گیا ہے (عربی ---) کہ مخالفین اسلام تم سے مجتمع ہو کر اکٹھے ہو کر مقابلہ کرتے ہوں، تم سے لڑائی کرتے ہوں، تمھارے ملک کو اور عزت کو برباد کرنا چاہتے ہوں تو اس طرح سے تم سبھوں پر فرض ہے کہ سب کے سب مل کر ان سے مقابلہ کرو اور لڑائی کرو۔ ان دونوں آیتوں کے مفہوم پر غور فرمایئے۔ اس کے معانی کو ملاحظہ کیجئے۔ ان دونوں آیتوں کا خلاصہ خاص طور سے یہ نکلتا ہے کہ تمام مسلمانان عالم پر ایسی حال میں جبکہ اتحادی مل کر یورپین قومیں مل کر جبکہ اسلامی دولت کو برباد کرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح کے مظالم کرتے ہوئے ایسی صورتیں اختیار کرتے ہوں عمل کی کہ جس کی وجہ سے اسلام کی دولت ہی فقط زائل نہ ہو بلکہ اسلام دنیا سے مٹ جائے تو اس وقت میں آپ خود جان سکتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں سے کیا مفہوم ہوتا ہے اور کیا آپ کے ذمہ حکم شرعی عائد ہوتا ہے۔ حکم شرعی یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص پر، ہر مسلمان پر فرض ہے اس وقت میں کہ مجتمع قوت کے ساتھ میں ان کا مقابلہ کیا جاوے پھر جبکہ یہ فرض تھا کہ ان کا مقابلہ کیا جاوے اور ایسی صورت میں اگر مسلمان کسی قسم کی سستی کریں یا کاہلی کریں تو آپ جان سکتے ہیں کہ وہ کس قدر اعلیٰ درجہ کے گنہگار ہوں گے کیونکہ فرض کا ترک حرام ہے۔ جو گناہ بڑے بڑے ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ کسل کرنا، سستی کرنا گناہ کبیرہ تھا، تو اب جو مخالفین اسلام ہیں ان کی مدد کرنا کس طرح سے جائز ہوگی؟ اسی واسطے قرآن شریف میں بہت سی آیتوں میں اس کی خاص طور سے مخالفت کی گئی ہے۔ کہیں فرماتے ہیں کہ تعاونوا علی البر والتقوىٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ "بھلائی اور اتقا اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہوں اور ظلم اور تعدی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔" جو لوگ اتحادیوں کی مدد کرتے ہیں چاہے وہ پیسے سے مدد کریں، چاہے وہ جان سے مدد کریں، جس طرح مدد کریں گے وہ اسی جرم میں داخل ہوں گے۔ وہ ناجائز ہے یعنی تعاونوا علی الاثم العدوان۔ جبکہ کہ یہ بات معلوم ہے آج یورپ یہ چاہ رہا ہے، اتحادی یہ چاہ رہے ہیں کہ حکومت اسلامی روئے زمین پر باقی نہ رہے۔ سب سے بڑی قوت اسلامی یہ سلطنت روم تھی، جس کا بادشاہ وہ خلیفہ اسلام کہا جاتا تھا۔ وہ ہر طرح سے حمایت اسلام کی کرتا تھا۔ جبکہ اس کے برباد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو اب جو شخص اتحادیوں کا ساتھ کسی بات میں بھی دے گا چاہے وہ فوج میں بھرتی کرائے یا خود فوج میں داخل ہو کر جائے یا وہ اپنے عمل سے، کلام سے، اپنی تقریر سے، اپنی تحریر سے ساتھ دے گا، وہ حقیقتاً مخالف اسلام ہے اور اسلام کی جڑ کھودنے والا ہے۔ جناب رسول اللہؐ اس قسم کی صورتوں میں فرماتے ہیں (عربی ---) جس شخص نے ہم پر یعنی مسلمانوں پر ہتھیار کو اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو لوگ کہ فوج میں بھرتی ہو کر اس طرز پر اتحادیوں کی اور مخالفین اسلام کی مدد کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو دیکھیں کہ آیا وہ مسلمان باقی رہ سکیں گے یا نہیں؟ میں اس کے متعلق واقعات کو جو کہ بہت کچھ واقع ہو چکے ہیں، دکھلانا نہیں چاہتا۔ فقط ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، جس کا مجھ سے ایک آسٹریلین مسلمان نے ذکر کیا تھا اور نہایت وثوق کے ساتھ میں ذکر کرتا ہوں اور اس نے ایک عیسائی آسٹریلین سے جو کہ درہ دانیال پر خود موجود تھا، اس سے یہ نقل کیا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ ایک عیسائی کے بیان سے ہے، عیسائی جو کہ مخالف تھا اسلام کا، وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے اس لئے ایک قابلِ عبرت واقعہ ضرور ہوگا، اور لوگوں کو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ آج ہم مخالفینِ اسلام کی مدد کر کے کیا ہم اسلام پر باقی رہ سکیں گے یا نہیں؟ یہ اسٹریلین مسلمان کہتا ہے کہ جس وقت التوائے جنگ کے بعد آسٹریلین فوجیں واپس آئی ہیں۔ میں آسٹریلیا میں موجود تھا۔ ایک قہوہ خانہ میں ایک ہوٹل میں ان کا اجتماع ہوا۔ وہ آپس میں یہ باتیں کرنے لگے تو ایک واقعہ انھوں نے ذکر کیا۔ اس سے ایک بات [illegible] معلوم ہو جائے گی کہ ہندوستا[illegible] جنگ میں اپنے لئے کیا حصہ [illegible] سرخروئی یا سیاہ روئی کمائی ہے۔ آسٹریلین عیسائی بیان کرتا ہے کہ میں بھی خندق میں موجود تھا اور میرے ساتھ خندق میں چند ہندوستانی سپاہی تھے جن میں دو مسلمان تھے اور میں دیکھتا تھا کہ دو تین روز سے آپس میں جھگڑا ہوتا تھا اور باتیں ہوتی تھیں۔ میں سمجھتا نہ تھا مگر اندازہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک ان میں سے یہ چاہتا تھا کہ ہتھیار چھوڑ کر ترکوں سے جا ملے مسلمان ہونے کی وجہ سے۔ اور دوسرا اس کا ساتھی یہ چاہتا تھا کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس کو روکتا تھا۔ ایک یا دو روز یہ جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر میں ایک شخص ان میں سے ہتھیار چھوڑ کر وہیں پھینک کر کے ترکوں کی خندق کی طرف بھاگا۔ وہ چند قدم آگے بڑھا ہوگا کہ اس کے دوسرے ساتھی نے شور مچایا اور دوسرے سپاہیوں سے کہا کہ یہ ترکوں سے ملنے جاتا ہے تم اس کے اوپر گولی پھینکو۔ گولی ماری گئی۔ وہ بیچ میں پہنچا تھا کہ اس کے گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اب اس واقعہ کو سنئے۔ وہ آسٹریلین کہتا ہے کہ بیچ میں جہاں وہ آدمی گرا تھا کوئی آدمی نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ اگر ترکوں میں سے کوئی آدمی پہنچے تو ہم گولی مارتے، اور اگر ہم میں سے کوئی آدمی پہنچے تو وہ گولی مارتے۔ پھر گرمی کا وقت تھا۔ اگر کوئی میت کوئی مردہ وہاں پر باقی رہتا تو چند گھنٹے کے بعد اس کا جسم کالا پڑ جاتا تھا اور بدبو واقع ہو جاتی۔ مگر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ رات کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش کے پاس ایک شمع روشن ہے، ایک چراغ جل رہا ہے۔ ہم نے لائٹ کے ذریعہ سے پورے طور پر دیکھنا چاہا کہ کوئی آدمی اس کے پاس آیا ہو یا کسی نے چراغ دکھایا ہو۔ کوئی شخص معلوم نہیں ہوا اور معلوم ہوا کہ روشنی میدان جنگ میں لائٹ اس طرح سے ڈالی جاتی ہے کہ اس میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہتی بلکہ معمولی طور پر جنگ میں ہر وقت میں رات کو یہ روشنی روشن کی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دو تین روز تک وہ روشنی وہاں پڑی رہی مگر ہر رات کو ہم دیکھتے تھے کہ ایک شمع وہاں موجود ہے۔ یہ کوئی واقعہ نیا نہیں ہے بلکہ بخاری شریف جن حضرات نے پڑھی ہے ان کو معلوم ہوگا کہ بعض حضرات جو شہید ہوئے تھے ان کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا ہے، اور ان کی لاش کے قریب روشنی ایک مدت تک پائی گئی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ جب دو تین روز کے بعد اجازت مردوں کے اٹھانے کی ہوئی تو اس وقت جب [illegible] کی لاش اٹھائی گئی تو اس کی [illegible] میں کوئی فرق واقع [illegible] ابھی وہ شخص مرا تھا، نہ اس [illegible] میں کوئی بدبو پیدا ہوئی تھی، نہ اس کی کسی چیز میں اور کوئی تغیر پیدا ہوا۔ یہ تو اس شخص کی حالت ہوئی مگر وہ کہتا ہے کہ جس نے گولی مروائی تھی دوسرے ساتھی کی حالت یہ ہوئی کہ چند گھنٹوں کے بعد ایک گولی اس کی پیشانی پر لگی تو اس کی ہڈی جبڑے کی اس طرح سے باہر نکل آئی جیسے کہ سؤر کا منہ ہوتا ہے۔ رنگت سیاہ ہو گئی۔ وہ کہتا ہے کہ جس شخص نے گولی ماری تھی اس شخص کے گولی لگی پیشانی پر اور جبڑے کی ہڈی اس طرح سے آگے نکل آئی کہ منہ نہایت لمبا ہو گیا اور جلد سیاہ ہو گئی۔ بالکل سؤر کی سی صورت ہو گئی۔ یہ بیان کسی مسلمان کا خاص کر نہیں ہے، عیسائی بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے اس میں کہ تمھارے مذہب کی حقانیت کے یہ دلائل ظاہر موجود ہیں۔ اور فقط اس واقعہ کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ایسے واقعات بہت سے ہیں۔ عراق اور درہ دانیال میں اور بصرہ میں فوجوں کے سامنے پیش آئے ہیں، مگر ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کر کے یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ دیکھئے آپ ان عیسائیوں کی، ان کافروں کی جن دشمنان خدا اور رسولؐ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوئے ہیں خواہ آپ کے دفتر میں نام لکھائیں جہاں دشمنوں کا نام لکھا ہے اور جو کہ دشمنوں کا دفتر ہے یعنی غلام سبھا کا دفتر ہے۔ خواہ آپ اس میں چندہ دیں، خواہ ان میں فوجیں بھرتی کروائیں۔ تھوڑی مدد ہو یا بہت ہو۔ تو دیکھئے جناب رسولؐ فرماتے ہیں کہ (عربی ---) آیت پڑھی۔ "جس نے کسی قوم کی جماعت کو بڑھادیا یعنی وہ اس جماعت میں شریک نہیں تھا حقیقتاً ان کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر تماشہ دیکھنے کے واسطے یا کسی وجہ سے اس جماعت میں آکر بیٹھ گیا ہے تو وہ اس جماعت میں سے ہوگا۔ جب آپ نے دشمنان خدا اور رسول کے دفتر میں اپنا نام بڑھایا تو ان کی جماعت کو بڑھادیا۔ جب آپ نے فوج میں کسی کو بھرتی کرادیا یا یہ کہ خود بھرتی ہوئے، اگرچہ آپ کے دل میں ایمان تھا اور آپ لاالہ اللہ محمد رسول اللہ کہتے تھے، مگر خیال کیجئے کہ اس وجہ سے آپ نے دشمنان اسلام کو تقویت پہنچادی، آپ کا کیا حال ہوگا۔ قرآن کہتا ہے کہ (عربی ---) جو کسی مسلمان کو قتل کرے گا، جان بوجھ کر قصداً تو اس کی جزا کیا ہے؟ جہنم۔ ہمیشہ رہے گا اس جہنم میں اور اللہ کا غصہ ہوگا اس پر اور اس کی لعنت ہوگی اس پر اور اللہ تعالیٰ نے اس کے واسطے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر کیا کسی مسلمان کو یہ بات جائز ہے کہ وہ ایسی فوجوں میں بھرتی ہو جس کے اندر علانیہ طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیا آپ فوجوں میں بھرتی ہو کر اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت گورنمنٹ کسی قوم کے مقابلہ میں بھیجے کہ ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ بہت سے لوگوں نے مصر میں کہا، عراق میں کہا اور انکار کیا جانے سے تو ان کے گولی ماردی گئی۔ مجھ سے خود جرنیل احسن پاشا نے مالٹا میں ذکر کیا جس وقت وہ حضرت مولانا شیخ الہند سے ملنے کے لئے گئے تو وہ باتیں اس نے بیان کیں، تو وہ بہت افسوس، نہایت الم اور درد ظاہر کرتے تھے اہلِ ہند پر۔ وہ کہتے تھے کہ اہلِ ہند سے ہم کو بہت زیادہ شکایت ہے۔ ہم نے ہند پر چڑھائی نہیں کی تھی۔ ہم نے ہندوستان کے مسلمانوں یا ہندوؤں کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ہم نے ان کے ملک نہیں چھینے تھے، ان کی دولت، عزت اور آبرو کو برباد نہیں کیا تھا بلکہ اس کے ماسوا ہمارے علائق قلوب اور دین کے ان کے ساتھ مترتب تھے۔ ہم اور ہندوستانی لوگ ایک مذہب، ایک نسل اور ایک براعظم کے رہنے والے ہیں۔ ہم کو بہت کچھ اتحادات تھے۔ ہم کو اس بات کی امید تھی کہ جس وقت ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمام مشرق، مغربی برائیوں سے آزاد ہو جائے۔ ہماری اصلی غرض یہی تھی کہ ہم مسلمانوں کو آزاد کرائیں، تو ان کا فرض تھا کہ وہ ہماری مدد کرتے۔ مگر مدد تو درکنار انھوں نے ہمارے مقابلے میں فوج کشی کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسلمان لوگوں کو جو اسیر ہو کر ہمارے سامنے آئے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ تم بھی لاالہ اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہو، ہم بھی کہتے ہیں تو پھر کیوں تم نے ہمارے اوپر بندوقیں اٹھائیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم بندوقیں نہ اٹھاتے تو ہمارے گلے کاٹے جاتے۔ گلے کی طرف انھوں نے اشارہ کیا۔ یہ کس وجہ سے کہ مسلمان کو بھرتی کر کے لے جاویں اور مسلمان یہ کہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تو ان کے گولی ماری جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کو گولی ماری گئی۔

حضرات! میں یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ جب کہ آپ کسی قسم کی کوئی مدد دشمنان اسلام کی کرتے ہیں تو آیا آپ کو اس بات کی امید ہے کہ آپ کا خاتمہ ایمان پر ہو سکے گا؟ اور کیا آپ کو امید ہے کہ جناب رسولؐ کی شفاعت سے قیامت کے دن آپ کامیاب ہو سکیں گے؟ کیا آپ کو امید ہے کہ جناب باری سبحانہ تعالیٰ کے سامنے کل کو سرخروئی کسی قسم کی حاصل ہو جائے

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

ترک موالات کانفرنس کراچی میں باغیانہ تقریریں کرنے کے الزام میں

اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلادیں۔ حدیث کو مٹا دیں اور کتب فقہ کو برباد کردیں

تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنیوالا میں ہونگا

مقدمہ کراچی میں مجسٹریٹ کے سامنے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ولولہ انگیز تقریر

۵۷ء میں جب کہ آزادی کی خوشبودار مگر تیز ہوا باشندگان ہند کے دل کو مست اور مسرور کررہی تھی۔ اس کی بھینی بھینی مہک ہوش وحواس کو گم کررہی تھی اور دلوں کو از خود رفتہ بنارہی تھی ساتھ ہی ساتھ تشدد کی زہریلی چنگاری چمن ہستی کو برباد اور اس کی ہمہ گیر لپٹ خانمانوں کو خاکستر کرتی ہوئی بد لطفی اور پست ہمتی کی باد سموم سے گلستان وجود کو پژمردہ بنارہی تھی۔ تباہ کن اور زہریلے شعلے حال اور استقبالی طمانیت کو یک قلم نیست ونابود کررہے تھے۔ دنیائے امن میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔

اس وقت اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سرد کرنے میں ممکن ہے کہ کوئی کوتاہ نظر مادی قوت کو موثر مانتا ہو مگر باریک بین اور تہہ تک پہنچنے والا دماغ کبھی اس کے تسلیم کرنے پر رضامند نہیں ہوسکتا اور نہ ہی واقعات اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ مادی قوت لپٹ مارنے والے شعلے کو دبا سکتی ہے مگر دلوں میں سلگنے والی آگ کو نہیں بجھا سکتی۔ وہ ہاتھ پیر باندھ کر لوہے کے زیوروں سے اجسام کو آراستہ کرسکتی ہے مگر دماغوں پر قابو نہیں کرسکتی۔ وہ منصبی خدمات کو ملیامیٹ کرسکتی ہے مگر قومی احساسات کو پامال نہیں پاسکتی۔ وہ حالی ذمہ داری کا ایک درجہ تک تحمل کرسکتی ہے مگر استقبالی کفالت اس کے احاطہ امکان سے باہر ہے۔ اس زمانہ کے گورنمنٹ کے تجربہ کار اور عقل مند ارکان اس کو سمجھے اور واقعی سمجھے اس کے ہر پہلو پر غور اور خوض سے کام لیا اور تہہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے ان مادوں اور اصولوں تک اپنی قابل وقعت فکر کو پہنچایا جن کے ذریعہ سے نہ فقط سرسری طور سے امن وامان قائم ہوسکتا تھا بلکہ اس پر عمل در آمد ہونے کی صورت میں ہمیشہ کے لئے جملہ خطرات کا قلع قمع بھی ہوسکتا تھا۔ ان کے وسیلے فقط ظاہری شورش اور بے چینی ہی کافور نہیں ہوسکتی تھی۔ بلکہ دلوں کی خلش اور دماغوں کی فکریں بھی دور ہوسکتی تھیں۔ یہ وہی اصولی و مواد تھے جن کا حوالہ میرے محترم اور اولالعزم دوست مولانا محمد علی صاحب اپنے بیان میں دے چکے ہیں جن کو اعلان کوئین وکٹوریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بادشاہان انگلستان اب تک اس اعلان کی تقدیس کرتے رہے۔ کنگ جارج پنجم اور اقراری کنگ ایڈورڈ ہفتم کے تقدیسی اور تسلیمی کلمات معروف اور مشہور ہیں۔ یہی وہ اعلان ہے جس نے ہندوستان میں حقیقی امن پھیلایا۔ یہی وہ مجموعہ قوانین ہے جس نے ہر بے چینی کا انسداد کردیا ہے۔ یہی وہ مضبوط پتھر ہے جس پر برٹش حکومت کی بنیاد ہندوستان میں استوار ہوئی۔

اس نے اگر والیان ملک اور ریاستوں کے قلوب سے برٹش کے قلمرو نہ بڑھانے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاہدات کو اصل صورت میں ملحوظ رکھنے، حقوق و احترام والیان ملک کو اپنی طرح ملحوظ رکھنے کے عہد وپیمان سے بے چینی دور کردی تھی۔ تو عام سیاسیوں اور ملکی باشندوں کے دلوں کو اپنے دیگر مقبوضات اور نوآبادیوں کی طرح حقوق دئے ان کے ساتھ بدون لحاظ قومیت و بدون اعتبار رنگت غیر جانبدارانہ طریق پر مساوات برتنے، ان کی خوش حالی اور مادی ترقی، تجارت اور صنعت کی بہبودی کی کفالت کے مضبوط وعدوں سے مطمئن کردیا تھا۔ اس نے شاہی عفو کا بھی پورے طور سے اعلان کیا فقط اسی ایک اعلان نے کفایت نہیں کی۔ بلکہ ایک تیز اور گہری روشنی کے ذریعہ سے بے چینی اور بدامنی کے اندھیرے کو گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ دور کرنے کا طریقہ عمل میں لایا۔

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

فرد جرم مقدمہ کراچی

(۱) محمد علی ساکن رام پور۔
(۲) مولوی حسین احمد ساکن دیوبند۔
(۳) ڈاکٹر سیف الدین کچلو ساکن امرت سر۔
(۴) پیر غلام مجدد ساکن مٹیاری۔
(۵) مولوی نثار احمد ساکن کانپور۔
(۶) بھارتی کرشن تیرتھ جی عرف وبھمت رامن۔
(۷) شوکت علی ساکن رام پور۔

اشخاص ملزمان پر حسب ذیل الزامات کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہ کہ تم نے، سات اشخاص ملزمان نے کسی وقت باوقات مابین ماہ فروری ۱۹۲۰ء لغایت ستمبر ۱۹۲۱ء جس میں ہردو ماہ شامل ہیں بمقام کراچی ودیگر مقامات پر اندر حدود برٹش انڈیا (مع دیگر اشخاص) شریک سازش مجرمانہ ہوئے تاکہ مسلمان سپاہی و افسران فوج ملک معظم کو ان کی خدمات سے اغواء کریں اور اس طرح ایسے جرم کا ارتکاب کیا، جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۰، ۱۳۱ ب دفعہ ۱۳۱ تعزیرات ہند میں درج ہے اور جو کہ لائق سماعت عدالت سیشن ہے۔

(۲) یہ کہ تم سات اشخاص مذکورہ پر مزید الزام یہ قائم کیا جاتا ہے کہ بوجہ سازش مذکور کسی ایک فرد یا افراد سازش مذکور نے بماہ جولائی یا اگست ۱۹۲۱ء کو یا قریب اس کے مسلمان افسران کو اپنے فرائض منصبی سے اغواء کا اقدام بذریعہ ترسیل اشتہارات اگیزٹ ۳۴ بنام افسران مذکور کیا اور اس وجہ سے تم نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا، جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۰، ۱۰۹ ب و دفعہ ۱۳۱ تعزیرات ہند درج ہے اور جولائق سماعت عدالت سشن مقام کراچی ہے۔

(۳) یہ کہ مزید برآں محمد علی نے بتاریخ ۹ ماہ جولائی ۱۹۲۱ء یا قریب اس کے بمقام کراچی ایک بیان کیا جو یہ تھا "ہر مسلمان کا انگریزی سپاہ سے تعلق قائم رکھنا یا سپاہ میں داخل ہونا یا کسی شخص دیگرہ کو سپاہ میں شرکت کی ترغیب دینا فی زمانہ مذہبا قطعی حرام ہے۔" بدیں نیت کہ ملک معظم کی افواج کے مسلمان سپاہی و افسران اپنی خدمات منصبی کے بجالانے میں لاپروائی کریں یا قاصر رہیں یا جس میں ان کی لاپروائی کرنے کا یا قاصر رہنے کا احتمال ہے۔ اور اس وجہ سے ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۵ میں درج ہے اور جو لائق سماعت عدالت سشن کراچی ہے۔

(۴) یہ کہ مزید برآں تم (اشخاص ملزمان نمبر ۲ لغایتہ ۷) نے محمد علی مذکور کے ساتھ جرم مذکور زیر دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کے ارتکاب میں جس کا وہ بوجہ سازش مذکور ہے مرتکب ہوچکا تھا۔ سازش کی لہذا تم اس جرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۰۹ و دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند میں درج ہے اور جو لائق سماعت عدالت سشن کراچی ہے۔

(۵) یہ کہ مزید برآں تم محمد علی نے بتاریخ ۹ ماہ جولائی ۱۹۲۱ء کو یا قریب اس کے بمقام کراچی ارتکاب جرم میں جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۵ یا دفعہ ۱۳۱، تعزیرات ہند میں درج ہے جو دس اشخاص سے زائد کی جانب سے تھا اعانت کی، (یعنی تم نے کہا کہ) جملہ مسلمانان پر بالعموم و علماء پر بالخصوص فرض ہے کہ وہ یہ مذہبی احکامات (جن الفاظ کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے) فوج میں ہر مسلمان کے ذہن نشیں کرادیں۔ لہذا تم اس جرم کے مرتکب ہوئے جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۱۷ میں درج ہے اور جو لائق سماعت عدالت سشن بمقام کراچی ہے۔

(۶) یہ کہ مزید برآں تم (اشخاص ملزمان نمبر ۲ لغایتہ نمبر ۷) نے محمد علی مذکور کے ساتھ جرم دفعہ ۱۱۷ تعزیرات ہند کے ارتکاب میں جس کا وہ خود بوجہ سازش مذکورہ کے مرتکب ہوچکا تھا، سازش کی۔ لہذا تم نے اس جرم کا ارتکاب کیا جس کی سزا مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۰۹ و دفعہ ۱۱۷ میں درج ہے، اور لائق سماعت عدالت سشن ہے۔

کراچی کے خالق دینا ہال کے مشہور مقدمہ کی ولولہ انگیز روداد

حکومت کا رویہ دیکھ کر مسلمانوں کو یقین کامل ہو چکا ہے کہ

حکومت مذہب و ملک دونوں کی دشمن ہے

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کا مجسٹریٹ کی عدالت میں جرأتمندانہ بیان

ترک موالات ہونے کی وجہ سے میں نے اس عدالت کی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لیا ہے۔ صرف اس مقدمہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ جس کا اتنے روز تک انکشاف ہوتا رہا ہے، اس عرصہ جو کچھ شہادت پیش ہوئی ہے اس کو بھی میں نے سہولت سے گذرنے دیا اور آپ ہی کے قوانین شہادت کے مطابق جو کچھ میں اس شہادت کے قابل تسلیم یا مناسب ہونے کے متعلق شبہ کر سکتا تھا، اس کی طرف بھی اشارہ تک نہیں کیا ہے۔ میں نے گواہوں کے بیان پر جرح کر کے مقدمہ کی کارروائی میں مداخلت نہیں کی۔ بلکہ اپنے اس حق کو بھی اپنے دوست وکیل سرکار کو ادا کرنے کی اجازت دے دی جو تسلی بخش جواب نہ ملنے کی صورت میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اس کو ادا کرتے رہے۔ ترک موالات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم کسی مقدمہ کی کارروائی میں صرف اتنا حصہ لے سکتے ہیں کہ واقعات کے متعلق بیان پیش کر دیں جس کا مقصد اپنی صفائی پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی آگاہی مقصود ہے جو صحیح طور پر پورے پورے واقعات سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے الجھن میں پڑ جائیں جہاں تک اس مقدمہ کا تعلق ہے، مجھ کو بیان دینے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ صرف میں اس لئے بیان پیش کر دیتا ہوں کہ ان بے شمار گواہوں کی پیچیدہ شہادت کا خاتمہ کر دوں جن کو بلانے کی غرض تو یہ تھی کہ ایک واضح اور بین امر کا ثبوت ہم پہنچا دیں لیکن انہوں نے اس واضح امر کو کامیابی کے ساتھ مبہم بنا دیا ہے۔ میں اپنے بھائی اور دوست احباب کے ہمراہ کراچی آیا تھا اور کنیا شالا میں ہی ٹھہرا تھا جہاں اور بھی دس بیس آدمی مقیم تھے۔ جب میں وہاں رہا، ہزاروں آدمی آتے تھے اور جاتے تھے۔ اکثر تو دن میں آیا کرتے لیکن بعض اوقات رات کو بھی لوگ آتے تھے جس سے مجھ کو اور میرے بھائی کو تکلیف ہوتی تھی لیکن اس بہشتی آرام کو حاصل کرنے کے لئے جو مجھ کو اب میسر ہے اس قسم کی تکالیف برداشت کر لینا کوئی بات نہیں تھی چونکہ میری قیام گاہ جیل خانہ نہ تھی اس لئے میں نہایت صفائی سے اقرار کرتا ہوں کہ میں کنیا شالا سے باہر بھی جاتا تھا اور وہاں واپس بھی آتا تھا۔ کبھی تو میرے بھائی میرے ساتھ ہوتے تھے، اکثر وہ نہیں بھی ہوتے تھے۔ شاذ و نادر میرے دوست ڈاکٹر کچلو کا ساتھ میسر ہوتا تھا کیونکہ وہ خود اپنے صوبہ اور مقامی حالات کے سلجھانے میں مصروف تھے۔

میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں رات کو ڈیڑھ بجے کبھی واپس نہیں گیا۔ جیسا کہ ایک غریب گواہ نے بیان کیا ہے اور جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کی تعیناتی رات کے بارہ بجے سے شروع ہوتی تھی اور کچھ کارگزاری دکھانی ضرور تھی اس وقت سنائے کے عالم میں اتفاق سے میں اپنے بھائی کے ساتھ سازش کے حقیقی معنوں میں سازش کیا کرتا تھا یعنی یہ کہ میرے بھائی نہایت زور سے خراٹے بھرتے ہوتے تھے۔ اور میں بھی ضرور اسی حالت میں ہوتا ہوں گا اگرچہ میرے سانس بالکل نہ متفق ہوتے ہوں گے جو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۰ ب کے لئے ضروری ہے۔ جس سازش کے کرنے میں ہم منہمک تھے وہ دن دہاڑے کھلے میدان میں ہوا کرتی تھی میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے گذشتہ خلافت کانفرنس منعقدہ کراچی کی صدارت کی تھی اور میں نے گوکک ضلع بلگام کی کانفرنس کی طرح یہاں بھی وہ قرارداد مرتب کی تھی جو حکومت انگورا کے خلاف برطانوی جنگی نقل و حرکت کے امکان سے تعلق رکھتی تھی۔ میں نے یہ اقرار داد جلسہ میں پڑھ کر سنائی اور میں نے محرک قرارداد کا تعارف کرایا، جن کو میں آج اپنے ہمراہ اسیران میں دیکھ کر خوش ہوں یعنی میرے محترم بزرگ اور آقا مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی میں نے جلسہ کی کارروائی بند کرنے سے پہلے اس قرارداد کے متعلق کچھ افتتاحی جملے کہے اور جو لوگ اس کے موافق تھے ان سے درخواست کی کہ کھڑے ہو کر اس قرارداد کی تائید کریں۔ جو در حقیقت خدا کے ساتھ ایک عہد تھا۔ لیکن گواہوں کا یکے بعد دیگرے یہ کہنا کہ صرف یہی ایک

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

فیصلہ مقدمہ کراچی

دفعات ۱۲۰ ب اور ۱۳۱ تعزیرات ہند کے الزامات کے متعلق میں جیوری کی رائے کو تسلیم کرتا ہوں۔ دوسرے الزامات کے متعلق میں نے اسیسرس کی رائے پر غور کیا ہے۔ مجھے اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق ہے کہ ملزم نمبرا محمد علی نے ۹ جنوری ۱۹۲۱ء کو کراچی میں جو تقریر کی ہے، وہ ان مسلمان افسروں اور سپاہیوں کی جو برٹش گورنمنٹ کی افواج میں ہیں، اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے یا پرواہ نہ کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور ملزم مذکور نے تقریر مذکور بالقصد کی ہے۔ تقریر کی صداقت زیر بحث نہیں۔ میں واقعات مذکورہ کی بناء پر ملزم مذکور کو دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کے جرم کا مرتکب پاتا ہوں۔

اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق کرتے ہوء میں دوسرے ملزموں کو باستثناء ملزم نمبر۶، محمد علی کا معاون سمجھتا ہوں۔ انہوں نے ایسی تقریر کرنے میں جس کا نتیجہ برٹش گورنمنٹ کے فوجی مسلمان افسروں اور سپاہیوں کی اطاعت میں فتنہ پیدا کرتا ہو، محمد علی کی ہم نوائی کی۔ اور محمد علی نے بہ نیت مذکورہ تقریر کی۔

ملزم نمبر۶ کی نسبت اسیسرس کی ... رائے دریافت کرنے کے بعد میں ... نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کی اعانت میں شک کی گنجائش ہے۔

اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میری رائے ہے کہ ملزم نمبرا محمد علی نے اسی وقت اسی جگہ اور اسی طریقہ سے اس جرم کی اعانت کی ہے، جو زیر دفعہ ۵۰۵ اور ۱۳۱ کے سات ساتھ دفعہ ۱۱۷ کا بھی مجرم ہے۔

اسیسرس کی کثرت رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میری رائے میں دیگر ملزموں نے باستثناء ملزم نمبر۶، محمد علی کے جرم کے ارتکاب کی کیونکہ انہوں نے محمد علی کی رائے سے اتفاق کیا کہ ایسی تقریر کی جائے، اور محمد علی نے دانستہ ایسی تقریر کی۔ جس کو عوام فوجی ملازمین تک پہنچا دیں۔

سزا

(ملزم نمبر۶ کے لئے) عدالت تمہارے بیان کو تسلیم کرتی ہے۔ جیوری اور اسیسرس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے تمہاری رہائی اور بریت کا حکم دیتی ہے۔ (باقی ملزمین کے لئے) جیوری کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے میں تمہیں دفعہ ۱۲۰ ب اور ۱۳۱ کا مجرم نہیں پاتا۔ اس لئے ان دفعات کی تحت میں تمہاری رہائی اور بریت کا حکم دیتا ہوں۔

ملزم نمبر۱ میں تمہیں دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کا مجرم پاتا ہوں اور دو برس قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔

ملزم نمبر۱۔ ۴۔ ۵ اور ۷ کو میں اعانت کا مجرم سمجھتا ہوں۔ اس لئے بدفعات ۱۰۹ اور ۱۰۵ تعزیرات ہند دو سال قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔

ملزم نمبرا، میں تمہیں دفعہ ۱۱۷ کا بھی مجرم پاتا ہوں اور ملزمین نمبر۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۷۔ تمہیں ملزم نمبرا کے استم دفعات ۱۰۹۔ ۱۱۷۔ ۵۰۵ اور ۱۳۱ کا معاون سمجھتا ہوں اور تمہیں دو سال قید بامشقت کی سزا دی جاتی ہے۔

ان سزاؤں کی ابتداء بیک وقت ہوگی۔

بی۔ سی کنڈی

جوڈیشل کمشنر۔ یکم نومبر ۱۹۲۱ء

نوٹ: اس فیصلہ کے ساتھ جیوری کے سامنے جو واقعات پیش کئے گئے ہیں پڑھنا چاہئے اور الزامات کی نقل بھی اس فیصلہ میں شامل سمجھنا چاہئے۔

دستخط

بی۔ سی۔ کینڈی

۳ نومبر ۱۹۲۱ء

موجودہ گورنمنٹ سے ترک موالات واجب ہے

صفحہ ۸ سے

چونکہ ہندوستان کی بودوباش زمانے سے لے کر آج تک کی تاریخ دکھلا رہی ہے، کہ ہندوستان کے باشندوں میں مذہبیت کا خیال نہایت راسخ ہے۔ زمانہ گذشتہ میں اس کی وجہ سے بہت سے غیر معمولی اور سنگین حادثے آچکے ہیں۔ خود ۵۷ء میں ناجائز چربی کی وجہ سے فوجوں میں اشتعال پیدا ہونے کا واقعہ طشت ازبام ہے۔ دوسرے ممالک بہا چین جاوا یورپ وغیرہ میں یہ حالت مذہبی جذبات کی نہیں ہے۔ اہل ہند خواہ کسی مذہب پر ہوں، مذہب کے سامنے قدیم زمانے سے ہر چیز کو نثار کرتے آئے ہیں۔ اور حقیقت میں ہونا بھی یہی چاہئے۔ مذہب زمین و آسمان کے بادشاہ کا قانون ہے جس کے سامنے زمین کا بادشاہ اور اس کا قانون کوئی قوت نہیں رکھ سکتا۔ مذہب اس بادشاہ کا قانون ہے جس کی حکومت جسم اور روح، دنیا و آخرت سب پر ہے۔ اس کے سامنے جسمانی دنیاوی بادشاہ کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔ مذہب اس شہنشاہ کا قانون ہے جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا نفع و نقصان حقیقی طور پر ہے۔ اس کے سامنے مجازی مالک، نفع و نقصان کیا اعتبار رکھتا ہے۔ اس لئے ہر جگہ میں اور ہر زمانہ میں عقل مند طبقہ مذہب کے تمام قوانین دنیا پر مقدم کرتا رہا۔ ہندوستان کی یہ حالت دیکھتے ہوئے مدبرین برطانیہ نے مذہبی آزادی کو اپنی حکومت کے لئے اصل اصول قرار دے کر اس اعلان میں شامل کردیا جس کے الفاظ کا ترجمہ بعینہ حسب ذیل ہے۔

"مذہب عیسائی کی حقانیت پر پورا ایمان رکھتے ہوئے ہم ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ ہم اپنی رعایا کو اس کے ماننے پر مجبور کریں۔ یہ ہمارا شاہی ارادہ اور خوشی ہے کہ کوئی شخص کسی طرح بھی اپنے مذہب یا کسی مذہبی کام کی وجہ سے ستایا نہ جائے گا، بلکہ سب کے سب یکساں اور برابر قانون کی حمایت کا لطف اٹھائیں گے۔ اور ہم نہایت سختی کے ساتھ اپنے ماتحت حکام کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہماری کسی رعایا کے مذہبی اعتقادیات یا عبادت میں مداخلت نہ کریں کہ یہ ہماری ناخوشی کا باعث ہوگا۔"

ہندوستانی باشندوں نے اس شاہی اعلان اور شہنشاہی عہد و پیمان پر پورا اطمینان کرلیا اور ہر طرح سے بے چینیوں کو دلوں اور دماغوں سے نکال باہر کردیا۔ (مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ کے حکام نے اپنا طرز عمل ایسا نہ رکھا جس سے وہ اطمینان، قائم اور استوار رہتا)۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ریزولیوشن جس پر تاریخ معلومہ پر میں نے تقریر تحریک کی تھی۔ یہ واقع میں ریزولیوشن اور تجویز نہیں ہے، بلکہ خالص مذہبی اور اسلامی مسئلہ ہے جس کا اعلان کرنا ہر مسلمان پر عموما اور ہر عالم پر خصوصا مذہبی فریضہ ہے۔ یہ مسئلہ تیرہ سو برس سے چلا آرہا ہے کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے اس کو فقط اس وجہ سے ریزولیوشن اور تجویز کے نام سے موسوم کیا گیا کہ اس کے دو دوسرے ٹکڑے حقیقت میں تجویزیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب کے مسئلہ کو فقط اس مذہب کے مقتدر لوگ جنہوں نے اپنی عمر کے بڑے حصہ کو اس مذہب کی خدمت میں صرف کیا ہے، جان سکتے ہیں۔ ہندو مذہب کی باتیں ان کی پنڈت اور گرو جان سکتے ہیں۔ عیسائی مذہب کی باتیں پادری بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اسلامی مذہب کی باتیں علماء اسلام جان سکتے ہیں، لارڈ ریڈنگ یا کوئی بیرسٹر یا جج اس کا فیصلہ نہیں کرسکتا کہ کون مسئلہ مذہبی ہے کون نہیں۔ علماء اسلام سے پوچھنا چاہئے۔

اس کے خالص مذہبی ہونے کی دو آفتاب کی طرح روشن دلیلیں ہیں۔ اول خود اس کے الفاظ اور دوم اس کے دلائل۔ اول کی وجہ یہ ہے کہ یہاں فوجی نوکری کی نسبت لفظ حرام کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ خالص مذہبی لفظ ہے جس کو تمام مذہب اسلام کے واقف کار جانتے ہیں۔ مذہب اسلام میں احکام سات قسم پر منقسم ہوتے ہیں۔ فرض، واجب، مندوب (اس میں سنت مستحب داخل ہیں) مباح۔ کراہت تنزیہی، کراہت تحریمی، حرام

حرام اس کو کہتے ہیں کہ جس کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوا ہو کہ اپنے ثابت ہونے اور معنی پر دلالت کرنے میں قطعی ہو، اس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور اس میں بندوں کا اس فعل کو چھوڑنا نہایت ضروری قرار دیا گیا ہو۔ اس کی تعریف باعتبار نتیجہ ان الفاظ سے کی جاتی ہے۔ حرام وہ فعل ہے جس کا کرنے والا عذاب کا مستحق ہو، اور چھوڑنے والا ثواب کا، اور انکار کرنے والا تکفیر کا۔ خلاصہ یہ کہ لفظ حرام ایک خالص مذہبی لفظ ہے جو معنے مذکور الصدر مسلمانوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ لغوی معنی فقط منع کے ہیں جو کہ کراہت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ شریعت میں مذہبی مسئلہ اس کو کہتے ہیں کہ مکلف بندوں کے کسی فعل پر ان شرعی احکام میں سے کسی کا حکم کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ موجودہ گورنمنٹ سے ترک موالات واجب ہے یا مخالف اسلام کی مدد حرام ہے۔ تو ترک موالات اول میں اور مدد ثانی میں فعل مکلف ہو، اور لفظ واجب اور حرام شرعی احکام ہوئے۔ یہی بالائی بیان توضیح تلویح شرح جمع الجوامع وغیرہ میں تفصیلا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ ریزولیوشن مذکر کے الفاظ مذہبی ہیں۔ اور یہ خالص اسلامی مسئلہ ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہوگا کہ مثل دیگر مسائل شرعیہ جب اس کو اس مسئلہ کا علم ہو تو دوسروں کو اپنی طاقت کے موافق پہنچائے، ورنہ گناہ گار ہوگا۔

دوسرا طریقہ اس کے دلائل کا ہے۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مذہب اسلام کا مدار قرآن شریف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ کوئی شخص جب تک قرآن کے حرف حرف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے کلمہ کلمہ کو سچ اور حق نہ سمجھے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی آیت یا کسی قطعی حدیث کا انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا۔ اور قرآن پر عمل کرنے سے کسی دنیاوی غرض سے حلال جانتا ہوا اعراض کیا تو بھی کافر ہوجائے گا۔ اگر حلال نہ جانا تو سخت گنہگار ہوگا۔ فوجی نوکریا محض جنگ اور قتل و قتال کی غرض سے ہوتی ہے۔ جس کو گورنمنٹ اپنی سیاسی اور مذہبی اغراض کے لئے جاری کرتی رہتی ہے۔ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں خلفاء اسلام اور غیر خلفاء، حربی اور ذمی سبھوں پر ہتھیار اٹھانا اور آلات جنگ کا استعمال کرنا اور حسب حکم کمانداز قتل، غارت، لوٹ، ناروا بے عزتی، خانہ بربادی وغیرہ سبھی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے قتل میں مدد دینا اس پر ہتھیار اٹھانا۔ ان کا مال لوٹنا، ان کی بے عزتی کرنا، ان کو تکلیف پہنچانا، ان کے دشمنوں کی مدد کرنا، ان کے حلیفوں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں۔ اس لئے یہ نوکری ضرور حرام ہوگی۔ قرآن میں اس کے حرام ہونے کی نسبت نہایت سخت اور تاکیدی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے قرآنی آیات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء کرام کے اقوال اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتے ہوئے فرمایا

یہ سب حدیثیں مسلمان کے قتل، اس کے مال کے لوٹنے، اس کے عزت کو برباد کرنے اس کو ڈرانے، اس کے حلیفوں کو قتل وغیرہ کرنے جملہ امور کو حرام قرار دے رہی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی علم کلام کی معتبر کتابوں جو فقرو شرح عقائد نسفی، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے کہ مسلمان کا قتل کرنا، تمام کبیرہ گناہوں میں کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔

علم رفقہ فتاوی قاضی خان، جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ کتاب الاکراہ۔ فصل فیما یحل للمکرہ ان یفعل اس میں لکھا ہے۔ اگر کسی پر جبر کیا جائے اور جبر کرنے والا بادشاہ یا اس کے جیسا قادر ہو اور وہ دھمکی قتل کرڈالنے کی دیتا ہے اور مجبور کو یقین یا ظن غالب ہو کہ میں اس کا کہنا نہ مانوں گا تو جو کچھ کہے گا، کرڈالے گا۔ اس صورت میں اس کام کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) جابر کے حکم کو ضرور کرنا چاہئے۔ اگر نہ کرے گا اور مقتول ہوگیا تو گنہ گار ہوگا۔ جیسے شراب پینا، مردار کھانا، سور کھانا۔

(۲) جابر کے حکم کو ماننا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نہ مانے اور صبر کرے۔ اگر مقتول ہوگیا، شہید ہوگا۔ جیسے زبان سے کلمہ کفر بولنا بشرطیکہ دل میں ایمان کامل ہو۔

(۳) ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہیں جیسے مسلمان کے مال کو تلف کردینا۔

(۴) ماننا جائز نہیں۔ اگر مانے گا تو گنہ گار ہوگا۔ اور اس پر فرض ہے کہ صبر کرے اور مقتول ہوجائے۔ جیسے کہ بادشاہ کسی مسلمان کے ناحق قتل کرنے کا یا اس کے ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالنے کا حکم دے۔ اس کو عالمگیری کی جلد ۵ صفحہ ۴۴ میں اور درمختار اور شامی وغیرہ میں سب جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ بزازیہ جلد ۶ صفحہ ۴۱ میں بھی یہی مذکور ہے۔ نورالانوار، توضیح تلویح، کشف بزودی وغیرہ کی بحث عزیمت و رخصت میں بھی یہی مذکور ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو کہ فتاوئے ہندوستان کے اعلی درجہ کے مسلم علماء میں سے ہیں اور عام علماء ہند ان ہی کے سلسلہ میں ہیں جن کی وفات کو تقریبا سو برس گذر چکے ہیں، ان کے فتاوے جلد صفحہ ۱۹ میں ہے۔

سوال: نوکری انگریزی جائز است یا نہ۔

الجواب: اگر در نوکری ارتکاب معصیت کبیرہ متوقع باشد مانند محاربہ با مسلمین و پلٹن ہا۔ ومانند آوردن شراب و گوشت مردار و خنزیر در خدمت گار این قسم روزگار ممنوع است و در ہر روزگار کہ منہیات نباشد مانند نوشتن امور عدالت ومانند منشی گری و مانند قافلہ رسانی و نگہبانی پولیس و مانند آں ممنوع نیست۔ فقط

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مسلمانان ہند کے معتبر اور محترم علماء میں سے ہیں جن کی وفات کو تقریبا چالیس برس گذر چکے ہیں۔ ان کے فتاوے جلد سوم صفحہ ۳۸ میں مذکور ہے۔

سوال: نوکری کفار درست یا نہ۔

الجواب: نوکری کفار سہ قسم است۔ جائز بلا کراہت مثل نوکری بر اصلاح مصالح و احقاق حقوق و دفع شوعرو دفع وزدال و قطاع الطریق و بنائے قناطیر و مہماں سرائے ودیگر عمارات نافعہ بدلیل قصہ حضرت یوسف علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کہ از پادشاہ وقت کہ کافر بود وارو گی خزائن مصر درخواستند تا اقامت عدل بایں مسلم نمایند و دلیل قصہ مادر موسی علیہ السلام کہ نوکری فرعون برائے شیر دادن حضرت موسی قبول کردند۔ دوم جائز باکراہت مثل نوکری ہائے کہ دراں لذوم استادہ ماندن پیش ایشاں ادبا و تعظیما باشد کہ ہتک شان مسلمان ازان متصور است مانند سرشتہ داری وغیرہ۔ سوم حرام مثل

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

یہ تمام مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۱۰ سے

نوکری بر معاصی و منہیات شرعی ہم چنانکہ عساکر و افواج را نوکر داشتہ براء مقاتلہ اہل اسلام مقرر کنند و ما یشبہ ذلک۔

مولانا اشرف علی صاحب نے بھی اس قسم کا فتوی اپنی کتاب امداد و الفتاوی جلد سوم صفحہ ۵۷ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس مقام پر لوگوں کو یہ عذر لنگ کہ اگر ہم یہ نوکری نہ کریں تو کہاں سے کھائیں' بے حد لچر اور پوچ ہے۔ چوری کرنے والا اور بازاری فاحشہ عورت بھی تو یہی کہتی ہے۔ اگر یہ عذر ان لوگوں کا مقبول نہیں تو اس نوکری کی بابت فوج پولیس والوں کا کیونکر مقبول ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مسلمان کے قتل اور غارت اور آبرو ریزی اور کافروں کی مدد تو چوری اور زنا سے بھی بدتر اور سخت گناہ ہے۔ خدا نے رزق کی کفالت کی ہے' اس نوکری کے سوا دوسرے دروازے بند نہیں کر دئے ہیں۔ اس نوکری سے تو بھیک مانگ کر مرجانا بہتر ہوگا کہ قیامت کے دن گردن پر کوئی وبال نہ ہوگا۔ یہاں تو جان بھی جاتی ہے' ایمان بھی جاتا ہے' اور عذاب آخرت سر پڑتا ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ پیٹ کو اب ایمان پر بھی مقدم سمجھنے لگے۔ پہلے زمانہ کے مسلمان بادشاہوں کی آپس کی لڑائی سے حیلہ پکڑنا شرعی حکم کے مقابلہ میں محض غلط فہمی ہے۔ جن بادشاہوں کی آپس کی لڑائی محض ملک اور حکومت کی غرض سے ہوتی تھی وہ ان کے سارے مددگار سب اس حکم میں داخل اور سخت گنہگار ہیں اور قیامت کو نہایت سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اگرچہ ان کے فوجی مددگار کفر اور کافروں کے مددگار نہ کہلائے جائیں گے مگر ظلم اور فسق کے مددگار اور خود سخت کبیرہ کے مرتکب ضرور ہوں گے۔

اور جن بادشاہوں سے دوسرے مسلمان بادشاہوں نے کسی شرعی حکم اور فروے کی بنا پر لڑائی کی ہے تو وہ اس کے مددگار سب خدا کے یہاں اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ ان کی تفصیلیں معتبر تاریخوں سے معلوم ہوتی ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور علماء نے اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ احکام ایسے تھے تو پہلے کیوں اشاعت نہ کی گئی اب کیوں کی جارہی ہے۔ مگر یہ بھی کہنے والوں کی غلط فہمی ہے۔

(۱) اولا کسی حکم کے کسی زمانہ میں نہ کہنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ وہ حکم واقع میں نہ ہو یا اس کا اتباع نہ کیا جائے۔ اگر ایک شخص نماز نہیں پڑھتا اور اب وہ متنبہ ہوا اور نماز پڑھنے لگا اور لوگوں کو اس کی طرف بلانے لگا' تو اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر نماز فرض تھی تو تو پہلے کیوں نہ پڑھتا تھا اور لوگوں کو کیوں نہ بلاتا تھا۔ بہت سے بہت یہ کہا جائے گا کہ اس وقت میں قصور ہوا' اصل میں حکم شرعی کو دیکھنا چاہئے۔

(۲) ہم عرض کر چکے ہیں کہ علماء کبھی اس سے چپکے نہیں رہے۔ ہم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلوی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی اور مولانا اشرف علی صاحب کا فتوی ذکر کر چکے ہیں' اور علاوہ ان کے تمام علماء گزشتہ ہر زمانہ میں ایسا ہی کہتے چلے آئے ہیں۔

(۳) جب مریض کی حالت زیادہ خراب ہوجاتی ہے اس وقت طبیب اور ڈاکٹر کو' دوا اور پرہیز کا زیادہ اہتمام پڑتا ہے۔ اس وقت اسلام کی حالت نہایت نزاکت پر پہنچ گئی ہے' اس لئے تمام علماء کو بہت زیادہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی ان بیماریوں کے ازالہ میں سخت کوشش کریں' جس کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی ہے۔ اس لئے آپ سنیں گے اور دیکھیں گے جابجا اتباع شریعت' پابندی نماز' جماعت' اتفاق وغیرہ کیلئے بھی برابر لکچر اور تقریریں کی جارہی ہیں۔

(۴) پہلے تو لڑائیاں فقط سیاسی اغراض کے لئے ظاہر کی جاتی تھیں اور اب تو صلیبی لڑائیاں علانیہ طور پر کی جارہی ہیں یعنی کفر اور اسلام کی۔ جیسا کہ خود مسٹر لائڈ جارج نے فتح بیت المقدس کے وقت اور مسٹر چرچل نے جنگ کلیسوی میں کہا ہے تو اب تو لوگوں کے کفر کا مسئلہ پیش آگیا۔

(۵) برٹش گورنمنٹ اب تک اپنے آپ کو مسلمان حکومتوں کی طرف دار اور دوست ظاہر کرتی تھی اور اب وہ خلافت اسلامیہ کے بارہ میں سب قول و قرار کو بھولے ہوئے علانیہ طور پر اسلام کی دشمنی کر رہی ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے جاگنے اور جگانے کی شرعا نہایت شدید ضرورت ہے۔

(۶) یہ ریزولیوشن اس وقت مقرر کیا گیا ہے جب کہ مصطفے کمال پاشا سے یونانی برسرپیکار تھے' اور خیال تھا کہ برٹش گورنمنٹ اعلانیہ طور پر خفیہ طریقوں پر یونانیوں کو مدد دے گی۔ اس صورت میں برٹش کو مدد دینا اس کی فوجوں میں بھرتی ہونا خاص طور سے ممنوع اور حرام ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ریزولیوشن ایک اسلامی مسئلہ اور خالص مذہبی حکم ہے جس کا پہنچانا ہر مسلمان جاننے والے پر دوسرے مسلمان تک ضروری ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری وصیت میں نصیحتیں کرنے کے بعد فرماتے تھے۔ **لیبلغ الشاهد الغائب** جو لوگ شرعی احکام کے بیان میں حاضر ہو کر مطلع ہو چکیں' وہ غائب ہونے والوں کو پہنچا دیں۔

قرآن شریف اور احادیث میں جگہ جگہ اس کی تاکید موجود ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر عموما اور ہر عالم پر خصوصا ضروری ہے کہ اپنی طاقت کے موافق اپنے مذہبی بھائیوں تک شرعی احکام پہنچائے۔ ہم کو اس مذہبی حکم کا پہنچانا مذہبی حیثیت سے ضروری تھا۔ اس لئے یہ مقدمہ ہم پر کسی طرح نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اس مسلم اعلان کے صاف الفاظ ہیں کہ ہمارا شاہی ارادہ اور خوشی ہے کہ کوئی شخص کسی طرح بھی اپنے مذہب یا کسی مذہبی کام کی وجہ سے ستایا نہ جائے گا۔ حقیقت میں جن لوگوں نے اب تک ہم کو ستایا ہے وہ شاہی ارادے سے باغی ہیں۔ وہ نہایت سخت توہین گورنمنٹ اور شاہی اعلان کی کر رہے ہیں۔ تعزیرات ہند کے جملہ قوانین اس اعلان سے خارج چیزوں کے لئے ہیں یہ اعلان برٹش حکومت کی اساس اور بنیاد ہے۔ ہم اس کے بعد یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ مسلمان کسی بادشاہ مذہبی حیثیت سے جبھی تک اطاعت اور فرمانبرداری کر سکتا ہے جب تک کہ اسکو خلاف شرع اسلام کسی بات کا حکم نہ دیا جائے اور اگر خلاف شرع اس کو حکم دیا جائے گا تو اس کو کسی طرح حلال نہیں کہ اس بادشاہ کی اطاعت کرے۔ چاہے وہ بادشاہ خلیفہ ہو یا سلطان' مسلم ہو یا غیر مسلم' اس کو ضروری ہے کہ ایسے ناجائز احکام کو ٹھکرا دے۔ اس کے متعلق قرآن اور حدیث میں بہت سخت اور بکثرت احکام وارد ہوئے ہیں۔

جن میں مسلمان کو حکم کیا گیا ہے کہ اگر خلاف حکم خدا اور حکم رسول' کوئی حاکم کوئی بادشاہ کوئی بڑا تم سے اطاعت چاہے تو اس کو ٹھکرا دو اور فقط خدا سے ڈرو اور اس کے ہی احکام کی تابعداری کرو اس لئے میں صاف اور صریح الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ واقع میں بوجہ مذہبی آزادی اور کوئین وکٹوریہ کے مذکورہ بالا اعلان کے تعزیرات ہند کی کسی دفعہ کے ہم مستحق نہیں ہیں اور اگر ہوتے بھی تو ہم مذہب کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

سازش کے دعوے کی نسبت باعتبار واقع کے میں اتنا اور بھی کہہ دینا چاہتا ہوں' کہ اس جلسہ کے پہلے کبھی اس مسئلہ کا ہمارا آپس میں تذکرہ نہیں آیا۔ مگر چونکہ یہ مذہبی مسئلہ ہے جس کو تمام علماء اسلام ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اس لئے مجھ کو جب تقریر کے لئے کہا گیا' میں نے اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنا ضروری سمجھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں جب ترک موالات کا مسئلہ پاس ہوا اور باعتبار مذہب فتوی پر دستخط کرنا ضروری تھا۔ دیگر علماء کی طرح میں نے بھی مذہبی رائے کی بنا پر دستخط کردئے جس پر میں اور تمام مسلمان علماء ہمیشہ سے متفق ہیں۔ اگر اسی کا نام سازش ہے تو میں جب سے پیدا ہوا ہوں سازش ہی میں ہوں۔

اثبات استغاثہ میں کوئی ثبوت اس کا نہیں دیا گیا کہ میں نے ان جملہ رفقاء کے ساتھ کہیں گفتگو کی ہو۔ حتی کہ سبجکٹ کمیٹی کی شرکت کا بھی ثبوت نہیں دیا گیا جس سے کوئی سازش ثابت ہوسکے۔ اگر کوئین وکٹوریہ کے اعلان اور دوسرے بادشاہوں کی تصدیق کا لحاظ نہیں ہے اور ہماری مذہبی آزادی قانونا تسلیم نہیں کی جاتی تعزیرات ہند کی دفعہ ہر چیز پر چلائی جاتی ہے تو میں نہایت خوشی سے ظاہر کرتا ہوں' کہ اب ہمارے لئے سوراج بہت ہی قریب ہوگیا ہے۔ کیونکہ سرکاری وکیل کا یہ کہنا کہ مذاہب بہت مختلف ہیں' ہم کس کس کی رعایت کرسکتے ہیں۔ اس کے صاف اور صریح معنی یہ ہیں کہ کسی مذہب کی رعایت قانون میں نہیں ہے' قانون ہر مذہب میں مداخلت کرے گا اور نہ کسی مذہب کی آزادی ہے۔ اور اسی طرح مجسٹریٹ کا یہ کہہ دینا کہ ہم مذہب کو نہیں جانتے' ہم تعزیرات ہند کو دیکھیں گے اور اس پر حکم کریں گے۔ یہ بھی صریح طور پر مذہبی آزادی کو رفع کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کے بڑے ذمہ دار احکام بھی اسی کا اعلان کردیں۔ چونکہ یہ مسئلہ قرآن میں صریح الفاظ میں آٹھ جگہ مذکور ہے' حالانکہ اگر ایک جگہ ہوتا جب بھی ماننا ضروری تھا' اس لئے یہ تمام مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے سرکاری وکیل کا عذر کسی طرح قابل سماعت نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب کوئین وکٹوریہ کا یہ اعلان شائع ہوا تھا کیا اس وقت یہ مختلف مذاہب موجود نہ تھے' پھر کیا سمجھ کر یہ اعلان دیا گیا تھا۔

مجسٹریٹ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ کوئین وکٹوریہ کا اعلان تعزیرات ہند پر مقدم نہیں۔ وہ برٹش حکومت کی بنیاد ہے' اسی کی وجہ سے ہندوستان میں امن و امان قائم ہوا۔ وہ پارلیمنٹ' دارالعوام' دارالخواص' انگلستان کے مذہبی پیشواؤں کی رائے اور اتفاق سے شائع کیا گیا۔ تمام بادشاہ اس کی اب تک تصدیق کرتے آئے۔ مگر ہم اس پر بھی نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور سرکاری وکیل اور مجسٹریٹ صاحب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ یہی بات جو انہوں نے کہی ہے' لارڈ ریڈنگ' مسٹر مانٹیگو' لائڈ جارج سے کہلوا دیں۔ یہ بھی نہ ہو تو شاہزادہ پرنس آف ویلز آرہے ہیں' انہیں سے اس کا اعلان کرادیں۔ پھر تو ہم کو سوراج اگر پہلے چار ماہ میں حاصل ہو سکتا تھا اب ایک ہی ماہ میں انشاء اللہ العزیز حاصل ہوجائے گا۔ اس کے کیا معنی ہیں' کہ بڑے بڑے حکام تو لکچروں اور تقریروں میں آزادی مذہبی کا گیت گاتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو تعزیرات ہند کی آڑ پکڑی جاتی ہے۔ لارڈ ریڈنگ اپنے لکچر میں کہتے ہیں کہ مذہب میں مداخلت کراچی کے مقدمہ یا فتوے کی

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

نائب صدر جمہوریہ کے لئے کرشن کانت

ھندستان کا پارلیمانی نظام ایک طرح سے انوکھا ہے دنیا کے جن ممالک میں پارلیمانی نظام رائج ہے ان میں کسی میں بھی نائب صدر کا عہدہ نہیں ہے پارلیمانی نظام کا تصور دینے والے برطانیہ میں بادشاہ کے عہد اس کے نائب جیسا کوئی عہدہ نہیں ہے یہی نہیں ہندستان کی ریاستوں میں بھی گورنر کا عہدہ تو ہے نائب گورنر کا نہیں۔ جمہوری نظام والے ممالک میں صرف امریکہ ہی ہے جس کے دستور میں نائب صدر کا عہدہ دکھائی پڑتا ہے اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہاں نائب صدر کا تصور امریکی دستور سے لیا گیا ہے جبکہ ہمارا سیاسی نظام امریکہ سے ایک دم الگ ہے وہاں صدارتی نظام رائج ہے جبکہ ہندستان میں پارلیمانی نظام۔

نائب صدر کے عہدے کو لے کر ہندستان کی دستور ساز اسمبلی میں کافی اختلاف تھا ہندستانی دستور کے مطابق عاملہ کی طاقت صدر میں پوشیدہ مانی گئی ہے ایسے کئی مواقع آسکتے ہیں جب صدر موجود نہ ہوں نائب صدر کا عہدہ بنانے کے پیچھے بنیادی وجہ شاید یہی تھی کہ صدر کی غیر موجودگی میں نائب صدر ان کے کام کو انجام دے سکیں۔

نائب صدر کا انتخاب پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبران کے ذریعہ ہوتا ہے اس انتخاب کے لیے جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ کبھی کبھی ایسا شخص بھی نائب صدر منتخب ہوسکتا ہے جسے راجیہ سبھا کی حمایت حاصل نہ ہو یعنی وہ شخص بھی ہندستان کا نائب صدر ہوسکتا ہے جسے لوک سبھا کے صرف تین چوتھائی ممبران کی حمایت حاصل ہو جائے انتخاب کے اسی طریقہ کو لے کر دستور ساز اسمبلی میں بھی بحث ہوئی تھی اور پروفیسر کے ٹی شاہ نے اس حقیقت پر زور دیا تھا لیکن ڈاکٹر بی آر امبیڈکر نے ان کے مشورے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ کے ٹی شاہ چاہتے تھے کہ نائب صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی صدارتی انتخاب جیسا ہو۔ ہندستان کا ہر شہری نائب صدر ہوسکتا ہے جس کی عمر ۳۵ سال ہوچکی ہو اور راجیہ سبھا کا ممبر بننے کی اہلیت رکھتا ہو جو شخص نائب صدر بن جائے گا وہ پھر کسی سرکاری عہدہ پر نہیں رہ سکتا اگر وہ پارلیمنٹ اسمبلی یا قانون ساز کونسل کا رکن ہے تو اسے اس سے استعفیٰ دینا پڑے گا۔

نائب صدر کو اس کے عہدے سے ہٹانے کے لیے کسی طرح کی تجویز ملامت لانے کی ضرورت نہیں ہے راجیہ سبھا کے کل ممبران کی عام اکثریت اسے ہٹانے کی تجویز پاس کرسکتی ہے بشرطیکہ اس تجویز کی تصدیق لوک سبھا ... کسی تجویز کی اطلاع ... ضروری ہے۔ اگر ... کے عہدے پر ... ملامت کے ذریعہ ... جاسکے گا جو طریقہ ... کو ہٹانے کا بنایا ... دستور ...

میرے ہمدرد ہر ...

نائب صدر کے عہدے کے امیدوار

س: برنالہ جی کانگریس متحدہ محاذ نے کرشن کانت کو اپنی حمایت دے کر نائب صدر کے انتخاب کو ایک طرفہ بنا دیا ہے اس صورت میں بھی کیا آپ میدان میں ڈٹے رہیں گے؟

ج: کیوں نہیں۔ میدان چھوڑ کر بھاگنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

س: کیا آپ کو نہیں لگتا کہ صدر کے امیدوار ٹی این شیشن جیسی حالت آپ کی بھی ہو جائے گی کیونکہ ووٹنگ تو اب محض دکھاوا ہے؟

ج: نہیں ایسا نہیں ہے میرا ماننا ہے کہ آج علاقائی پارٹیوں کا رول بہت اہم ہوگیا ہے وہ ہر موضوع پر اپنے خیالات کو پیش کر رہے ہیں ایسے میں یہ ممکن نہیں کہ ان کو جیسے چاہے ہانک دیا جائے علاقائی پارٹیوں کی الگ الگ اولیتیں ہوسکتی ہیں پھر میرے دوست اور ہمدرد ہر پارٹی میں موجود ہیں کانگریس اور متحدہ محاذ میں بھی ہیں ابھی سے کسی فیصلہ پر پہنچنا مناسب نہیں ہے۔

س: کیا آپ نہیں سمجھتے کہ بی جے پی کی حمایت والے امیدوار کا ٹھپہ لگ جانے سے آپ کو کافی نقصان ہوگیا ہے؟ بائیں بازو والے بھی آپ کی حمایت کرنے سے پرہیز کر رہے ہیں؟

ج: پہلے تو میں یہ واضح کر دوں کہ میں بی جے پی کا امیدوار نہیں ہوں۔ اکالی دل کا امیدوار ہوں میں نے تو سبھی پارٹیوں سے حمایت کی اپیل کی ہے کانگریس، بی جے پی سمیت دوسری علاقائی پارٹیوں سے بھی کہا تھا کہ مجھے اپنا مشترکہ امیدوار بنائیں اب مجھے کون حمایت دے گا کون نہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا ابھی سے سب کچھ طے کرنا ٹھیک نہیں ہوگا اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ بی جے پی آج کوئی چھوٹی موٹی طاقت نہیں ہے اس کی حمایت ہی میرا سہارا ہے کمزوری نہیں بی جے پی کو لے کر میرا نقطہ نظر یکدم صاف ہے۔

س: سیاسی صف آرائی کی وجہ سے اتفاق رائے پیدا ہونا مشکل ہے پھر آپ اتنے پرامید کیسے ہیں؟

ج: میں نائب صدر کے لیے کوئی نا اہل امیدوار نہیں ہوں اس عہدہ کے وقار کے مطابق ... امیدوار مانت ... کرنے کی کوشش ... اب آپ یہ ... مجھے اپنی جیت ...

س: کیا وجہ ہے ... ہمیشہ پنجاب ... انھوں نے آ...

ج: میرے خیال ... کی بنیاد پر ... کے عہدے ... ہیں۔

س: کیا وجہ ہے ... نام کی حمایت ...

ج: اب یہ تو کانگ... بتا سکتے ہیں ... کہ پنجاب کے ...

سابقہ نائب صدور

انتخاب کی تاریخ
۱۲ مئی ۱۹۶۲ء
۱۱ مئی ۱۹۵۷ء
۷ مئی ۱۹۶۲ء
۶ مئی ۱۹۶۷ء
۳۰ اگست ۱۹۶۹ء
۲۷ اگست ۱۹۷۴ء
۲۷ اگست ۱۹۷۹ء
۲۲ اگست ۱۹۸۴ء
۷ ستمبر ۱۹۸۷ء
۱۹ اگست ۱۹۹۲ء

متحدہ محاذ اور کانگریس کے مشترکہ امیدوار

کرشن کانت

موجودہ سیاست ... دو اتفاقیہ محدود ہوتی نظر آرہی ہے ایک تو بدعنوانی اور دوسرا جرائم ان دونوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لیے کرشن کانت کی کافی پہچان ہے آندھرا کے موجودہ گورنر کرشن کانت نائب صدر کے عہدے کے لیے متحدہ محاذ اور کانگریس کے مشترکہ امیدوار ہیں اپنے تیور اور شخصیت کی وجہ سے نوجوان ترک کے نام سے مشہور کرشن کانت میں سماج کو لے کر ایک خدمت کی بے چینی وراثت میں پائی ہے ان کا تعلق ایک مجاہد آزادی خاندان سے ہے ان کے والد اچنت رام دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے پھر ایم پی بنے بھوداں تحریک میں ان کا اہم رول رہا۔

۲۸ فروری ۱۹۲۷ء کو پنجاب کے امرتسر ضلع میں پیدا ہوئے کرشن کانت کا دماغ شروع سے ہی انقلابی رہا محض پندرہ سال کی عمر میں ۱۹۴۲ء کی "ہندستان چھوڑو" تحریک میں ہی وہ کافی سرگرم ہوگئے تھے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۷ء تک راجیہ سبھا پھر ۱۹۷۷ء تک لوک سبھا کے رکن رہے اپنی سیاسی زندگی میں جس ایک سوال کو سب سے زیادہ نمایاں ہونے دیا وہ تھا سیاست اور کانگریس پر سے پیسے کے اثر کی مخالفت کا سوال ۱۹۶۱ء میں احمد آباد میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں انھوں نے یہ بات کہی کہ سیاسی پارٹیوں کو عوام کا اعتماد حاصل کرنا چاہیے کرشن کانت کی انھیں کوششوں کی وجہ سے بھوری سدھار پروگرام ہاتھ میں لیا گیا۔

۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی کی مخالفت اور جے پرکاش نارائن سے وابستہ ہو جانے کی وجہ سے ان کا کانگریس سے اخراج ہوا قومی اور بین الاقوامی اہمیت کے بھی مسائل کی انھوں نے عام رضامندی سے حل کرنے کی کوشش کی کرشن کانت نے اس وقت کے کانگریس کے صدر شنکر دیال شرما کو خط لکھ کر کالے دھن اور انتخابی اصلاحات کی طرف پارٹی کی توجہ مبذول کرائی ۱۹۷۱ء سے ہی وہ پہلے انتخابی عمل میں سدھار لانے پر زور دیتے رہے ہیں انتخابات میں منفی ووٹنگ کی ان کی تجویز کی کئی طبقوں نے تعریف کی ان کے سیاست میں جرائم کی آمیزش کے سوال کو اٹل بہاری باجپئی، کملاپتی ترپاٹھی، سی راجیشور راؤ اور ای ایم ایس نمبودری پد جیسے سیاستدانوں کی حمایت حاصل تھی۔

ایک اور بات جو کرشن کانت کے جارحانہ تیوروں کو ظاہر کرتی ہے وہ ہے ایٹم بم کے تجربہ کو ان کی تائید وہ ہمیشہ سے یہ مانتے رہے ہیں کہ ہندستان کو ایٹم بم بنانا چاہیے وہ طویل عرصہ تک ڈیفنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ممبر بھی رہے سیاسی حلقوں میں وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر کانگریس پارلیمانی پارٹی کے سکریٹری اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے کافی عرصہ تک ممبر رہنے کے بعد ۱۹۷۵ء میں کانگریس سے خارج ہوکر جنتا پارٹی میں چلے گئے اور ۱۹۷۷ سے ۱۹۸۲ء تک اسی پارٹی میں رہے پیپلز یونین فار سول لبرٹیز کے بانی جنرل سکریٹری رہے کرشن کانت نے ۱۹۷۷ میں جنتا پارٹی کی حکومت بننے کے بعد نکسلیوں کی رہائی میں اہم رول ادا کیا پنجاب مسئلہ کا حل کرانے کے لیے وہ ہمیشہ آگے رہے سکھ شدت پسندوں کے نمائندوں سے کئی مرتبہ ملاقات کرکے انھوں نے دہشت گردی کی جڑ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایم ایس سی ٹکنیک کی تعلیم حاصل کرکے دلی کے دگیان اور اودیوگک انوسندھان پریشد میں بطور سائنٹسٹ رہے انھوں نے اخبار و رسائل کے لیے مضامین بھی لکھے ان کی بیوی سمن کانت بھی معروف سماجی کارکن ہیں اور خواتین کے حقوق کی حامی ہیں دستور اور سیاست میں دیانتداری اور اچھے اخلاق کی وکالت کرنے والے کرشن کانت کی دلچسپی سماج اور سیاست دونوں میں ہے جب ان سے اپنی امیدواری پر ردعمل کا اظہار کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے صرف اتنا کہا کہ میں اپنے دوستوں کا شکر گذار ہوں۔ مسٹر کرشن کانت کی اس عہدہ پر کامیابی یقینی سمجھی جارہی ہے اس لیے کہ انھیں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ۷۷۷ ووٹوں میں سے ۵۰۵ ووٹوں کے ملنے کی بھرپور توقع ہے۔

نائب صدر کا انتخاب بھی صرف ایک رسم

●●●

نائب صدر کے عہدے کے انتخابات میں شک اور جستجو کی جو امید کی جارہی تھی وہ متحدہ محاذ اور کانگریس کی جانب سے کرشن کانت کو اپنا مشترکہ امیدوار قرار دیئے جانے کے بعد ختم ہوگئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ نائب صدر کا انتخاب بھی صدارتی انتخابات کی طرح محض ایک رسم ہی ہوگا۔ مسٹر کرشن کانت کے مقابلے میں بی جے پی اکالی دل اور کچھ دوسرے گروپوں کے امیدوار مسٹر سرجیت سنگھ برنالہ کی پوزیشن مسٹر کے آر نارائنن کے مقابلے میں شیشن سے تو کچھ بہتر رہے گی، لیکن جیتنے کا نتیجہ تقریباً طے ہی ہے۔ مسٹر کرشن کانت مجاہد آزادی رہے ہیں اور آندھرا پردیش کے گورنر کی حیثیت سے ان کی شبیہ اچھی رہی ہے، ایک زمانے میں وہ ایم پی بھی رہے اور کانگریس کے جوان ترک کی حیثیت سے کافی مشہور بھی رہے۔

لیکن اس عہدے کے لئے کرشن کانت کا نام بڑے ڈرامائی انداز میں غیر متوقع طور پر سامنے آیا۔ اخباروں میں جن ناموں کا ذکر تھا وہ تھے نجمہ ہبت اللہ، مارگریٹ الوا، ڈاکٹر کرن سنگھ وغیرہ پسماندہ ذات کے لوگ بھی امید لگائے ہوئے تھے، کرشن کانت کا نام وزیر اعظم اندر کمار گجرال نے پیش کیا (جن کے وہ بچپن کے دوست ہیں) یا آندھرا کے وزیر اعلیٰ چندرا بابو نائیڈو نے لیکن نائیڈو نے متحدہ محاذ کے کنوینر کی حیثیت سے ان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے میں جو رول ادا کیا وہ اہم ہے۔

ظاہر ہے کہ نجمہ ہبت اللہ اس عہدہ کے لیے فطری امیدوار تھیں، صرف اس لئے نہیں کہ وہ خاتون ہیں ... کا نائب صدر بنا ... مطابق ہوگا، بلکہ ... ڈپٹی چیرمین کی حیثیت ... طرح ایوان کی کارروائی ... ہوکے وہ اس ... تھیں، خالباً ان کا ... خلاف گیا اس ...

ا اور سرجیت سنگھ برنالہ کے درمیان مقابلہ

ر دیں۔ ایسی
ن پہلے دینے
ار گزار صدر
سے تحریک
سے ہٹایا
صدر جمہوریہ
ر کو بہت سی

ذمہ داریاں اور اختیارات سونپے ہیں ایسے نائب صدر راجیہ سبھا کا چیرمین ہوتا ہے وہ راجیہ سبھا کی کارروائی چلاتا ہے وہ ایوان میں ڈسپلن قائم رکھتا ہے وہ ایوان میں پوچھے جانے والے لائق سوالات کا انتخاب کرتا ہے بغیر اس کی اجازت کے کوئی بھی ممبر راجیہ سبھا میں تقریر نہیں کر سکتا وہ ایوان میں پیش کیے گئے بلوں پر اراکین

کو بولنے کے لیے مدعو کرتا ہے اگر بل کے حق میں برابر برابر ووٹ پڑے ہوں تو وہ اپنا فیصلہ کن ووٹ دیتا ہے راجیہ سبھا کی جانب سے پاس کیے گئے بلوں پر اس کے دستخط ہونے ضروری ہیں وہ راجیہ سبھا کے اراکین کے خصوصی اختیارات کا محافظ بھی ہوتا ہے۔

دستور ہند کی دفعہ (۱) ۶۵ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر صدر کا انتقال ہو جائے یا اسے تحریک ملامت کی بنیاد پر برطرف کر دیا جائے تو نائب صدر صدر کی حیثیت سے کام کرے گا سپریم کورٹ کی جانب سے صدر جمہوریہ کو نا اہل قرار دینے کی صورت میں نائب صدر اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرے گا تین مئی ۱۹۶۹ء کو صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے انتقال کے بعد اس وقت کے نائب صدر وی۔ وی گری نے کارگذار صدر کی حیثیت سے کام کاج سنبھالا تھا اسی طرح فخرالدین علی احمد کے اچانک انتقال کے بعد اس وقت کے نائب صدر بی ڈی جتی نے کارگذار صدر کا رول ادا کیا تھا اتنا ہی نہیں ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر راجندر پرشاد کے سوویت روس کے سرکاری دورے کے دوران ان کی جگہ ڈاکٹر رادھا کرشنن کو عہدۂ صدارت کا حلف دلایا گیا تھا۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے ۱۹۶۱ء میں کافی علیل ہو جانے کی حالت میں ایک بار پھر ڈاکٹر رادھا کرشنن نے عہدہ صدارت کا حلف لیا تھا ایک مرتبہ اس عہدہ پر رہتے ہوئے ڈاکٹر رادھا کرشنن کی آنکھوں کا علاج ہو رہا تھا اس وقت نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کو عہدۂ صدارت کا حلف دلایا گیا تھا۔

صدر کی حیثیت سے کام کرتے وقت نائب صدر راجیہ سبھا کے چیرمین کی ذمہ داریاں پوری نہیں کرے گا نہ اس حیثیت سے تنخواہ پائے گا اس مدت میں راجیہ سبھا کا ڈپٹی چیرمین بطور چیرمین کام کرے گا واضح ہو کر عارضی طور پر صدر کی ذمہ داری سنبھالنے والے نائب صدر کسی بھی صورت میں چھ ماہ سے زیادہ عرصے تک صدر نہیں رہ سکتے نائب صدر بہت سے سماجی تعلیمی اور ثقافتی اداروں کی سرگرمیوں میں حصہ لے کر ملک کی نمائندگی کرتا ہے ابھی تک سارے نائب صدر دلی یونیورسٹی کے چانسلر بھی رہے ہیں۔

نائب صدر کا عہدہ عزت و وقار کے لحاظ سے صدر جمہوریہ کے بعد دوسرا سب سے بڑا عہدہ مانا جاتا ہے حالانکہ دستور نے نائب صدر کو عاملہ سے وابستہ کوئی رسمی کام نہیں سونپا ہے پھر بھی کابینہ کے سبھی فیصلوں سے اس کو باخبر کرایا جاتا ہے۔

۰۰۰۰

ری میں موجود ہیں

جیت سنگھ برنالہ کا انٹرویو

کو ایک اچھا
منتخب م
ہونی چاہیے
س پر جھوڑ دیے
ہیں ہے۔
م اندر کمار گجرال
تے ہیں لیکن
نہیں کی ؟
ذاتی دوستی
کو نائب صدر
کوشش کر رہے

نے آپ کے

لوگ ہی
آشنا کہہ سکتا ہوں
ہی کانگریس

سے بہت ناراض ہیں یہ ایک موقع تھا جب مجھے حمایت دے کر سکھوں کے زخمی جذبات پر کچھ مرہم رکھا جا سکتا تھا لیکن اسے یہ منظور نہیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے میری حمایت کر کے کانگریس یہ اشارہ بھی دے سکتی تھی کہ اس ملک میں چھوٹی پارٹیوں یا دوسری علاقائی پارٹیوں کا تھوڑا بہت مقام ہے سکھ فرقے کو نظر انداز کر کے اس نے ان دونوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔

س: لیکن وہ تو آپ کو فرقہ پرست طاقتوں کے امیدوار کے روپ میں دیکھنے کی وجہ سے اچھوت مان رہے ہیں ؟

ج: یہ سب تو بہلانے بازی ہے کانگریس کے لیڈروں کو جب میرے خلاف کچھ نہیں ملا تو انھوں نے میرے ساتھیوں پر بہت الزام لگانے شروع کر دیے لیکن عوام سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اندرا گاندھی کے زمانے سے کانگریس میں ایسا ہوتا آیا ہے اور تو اور اندرا گاندھی نے اپنی ہی پارٹی کے باضابطہ امیدوار سنجیوا ریڈی کے خلاف وی وی گری کو کھڑا کیا تھا اس لیے کانگریس سے اصولی طور پر تو کسی بڑی لڑائی کی امید اب کی ہی نہیں جا سکتی۔

س: آپ متحدہ محاذ کے کنوینر چندرا بابو نائیڈو کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے ؟

ج: میرا کچھ بھی کہنا ٹھیک نہیں ہوگا این ٹی آر کی حکومت گرانے میں انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ صاف ظاہر ہے۔

س: مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری ہرکشن سنگھ سرجیت نے بھی آپ کو حمایت دینے کے سوال پر صرف اس لیے ہاتھ کھینچ لیا ہے کہ آپ کی حمایت بی جے پی کر رہی ہے ؟

ج: میرے خیال میں متحدہ محاذ کے اس فیصلے میں سرجیت صاحب کی رضامندی نہیں لی گئی۔

س: اچھا بی جے پی، ستیا پارٹی، بی ایس پی اور ہریانہ وکاس پارٹی کے علاوہ آپ کو کون کونسی پارٹیوں سے حمایت کی امید ہے ؟

ج: میں نے کہا ہے کہ میرے دوست سبھی پارٹیوں میں موجود ہیں ان کا نام لے کر میں ابھی ان کو مجبور نہیں کرنا چاہتا اس لیے فی الحال کچھ نہیں کہوں گا۔

	ناکام	ملنے والے ووٹ جیتنے والے کو	ملنے والے ووٹ ہارنے والے کو
ن	بلا مقابلہ	—	—
	″	″	″
ن	ایم اے سامنت سنگھ	۵۶۸	۱۴
	پروفیسر حبیب	۴۸۳	۱۹۳
	ایچ سی کامتھ	۴۰۰	۱۵۶
	این وی ہورو	۵۲۱	۱۴۱
	بلا مقابلہ	-	-
	بی سی کامبلے	۵۰۸	۲۰۷
	بلا مقابلہ	-	-
ن	کے جوگندر سنگھ	۷۰۰	۱

اکالی دل اور بھاجپا کے مشترکہ امیدوار

سرجیت سنگھ برنالہ

پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ اور تمل ناڈو کے سابق گورنر سرجیت سنگھ برنالہ کے پارلیمانی سیاسی کیریر کی شروعات تب ہوئی تھی جب وہ پہلی مرتبہ ۱۹۶۷ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے ۱۹۶۹ء میں وہ پنجاب کے وزیر تعلیم بنے ۱۹۷۷ء میں ان کو پہلی مرتبہ پارلیمنٹ داخلہ کا موقع ملا انھوں نے مرارجی دیسائی کابینہ میں وزارت زراعت کے ساتھ ہی آبپاشی، خوراک اور دیہی ترقی کی فاضل ذمہ داری بھی سنبھالی ایمرجنسی کے دنوں میں چودہ ماہ جیل یاترا کر کے آنے والے برنالہ آپریشن بلیو اسٹار کے دوران امن توڑنے کے الزام میں دوبارہ جیل گئے ۱۹۸۰ء میں پھر وہ اسمبلی ممبر بنے سنت لونگوال کے قتل کے بعد انھیں ۱۹۸۵ء میں شرومنی اکالی دل کا صدر بنایا گیا ۱۹۸۵ء میں ہی وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے لیکن ۱۹۸۷ء میں ان کی حکومت کو مرکز نے تحلیل کر دیا۔ ۱۹۹۰ء میں برنالہ تمل ناڈو کے گورنر مقرر ہوئے مرکزی حکومت نے جب تمل ناڈو کی اس وقت کی حکومت کو برخواست کرنے کی منشا ظاہر کی تو برنالہ نے اسے نامنظور کر دیا مرکزی حکومت نے ان کا تبادلہ کر کے ان کو بہار کا گورنر بنانا چاہا لیکن انھوں نے گورنر کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو ہریانہ کے ہندر گڑھ ضلع کے اٹیلی بیگ پور گاؤں میں پیدا ہوئے برنالہ کی ابتدائی تعلیم ناہجا میں ہوئی اعلیٰ تعلیم کے لیے انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں وکالت کی ڈگری حاصل کی ۱۹۵۱ء میں وہ پبلک پراسیکوٹر کے عہدہ پر مقرر ہوئے جہاں سے ۱۹۵۳ء میں وہ استعفیٰ دے کر وہ سرگرم سیاست میں کود پڑے پنجاب کو مکمل صوبہ کا درجہ دلانے اور مرکز کی آزادی کے لیے انھوں نے جدوجہد کی ۱۹۹۵ء میں اکالی دل امرتسر سے وابستہ ہوئے لیکن ان کی پارٹی بکھر گئی باوجود اس کے ۱۹۹۶ء میں ایک بار پھر وہ لوک سبھا کے رکن منتخب ہوئے برنالہ قدامت پسندی کے زبردست مخالف رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ ان باتوں کی مخالفت کی جن سے تشدد اور بدامنی پیدا ہوتی ہو۔ ان کے پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہونے کے زمانے میں ریاست میں تشدد اور بدامنی بڑی حد تک کنٹرول ہو گئی تھی لیکن درمیان میں ہی ان کی حکومت کو دفعہ ۳۵۶ کا سہارا لے کر تحلیل کر دیا گیا جس کے بعد ایک بار پھر پنجاب میں آگ و خون کا کھیل شروع ہو گیا۔ آج مسٹر برنالہ اپنی پارٹی اکالی دل کے ٹکٹ پر نائب صدر کے عہدے کے امیدوار ہیں حالانکہ ان کی پارٹی کے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں صرف آٹھ ارکان ہیں لیکن انھیں پنجاب کے مخلوط حکومت میں شامل بی جے پی جس کے دونوں ایوانوں میں ۲۱۱ ارکان ہیں کی حمایت حاصل ہے حالانکہ بظاہر حالات ان کی کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے لیکن مسٹر برنالہ اپنی کامیابی کے بارے میں ابھی ناامید نہیں ہیں

ان کا کہنا ہے کہ ابھی بھی حالات ان کے موافق ہو سکتے ہیں اس لیے کہ ان کے ہمدرد ہر پارٹی میں یہاں تک کہ کانگریس اور متحدہ محاذ میں بھی موجود ہیں جنھیں اگر ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کا موقع دیا گیا تو وہ انھیں ووٹ دے سکتے ہیں۔

ت کسی صورت
یا کی پالیسی کے
راجیہ سبھا کے
عہدوں نے جس
دی اسے دیکھتے
ت صدر عہدہ
ں میں ہونا لازمی
ور لوک سبھا

اسپیکر کے عہدے پر کانگریس کے امیدوار پہلے ہی آگے رہے ہیں۔

صدر اور نائب صدر کو پارٹی کی سیاست سے بالاتر کر کے دیکھا جانا چاہیے یہ سلسلے بھی ضروری ہے کہ صدر اور نائب صدر کسی پارٹی کے نہیں بلکہ پورے ملک کے عوام کے نمائندے ہوتے ہیں ہمارا یہ نظریہ شروع سے ہی غالب رہا کانگریس کی ہمیشہ کوشش رہی کہ یہ عہدے اس کی پارٹی کے پاس ہوں ۱۹۵۷ء میں جواہر لال نہرو نے صدر کے عہدے کے لیے ڈاکٹر رادھا کرشنن کا نام پیش کیا تو کانگریس کے سینئر لیڈروں نے کہا کہ ان کو کتنے کانگریسی جانتے ہیں۔ جواہر لال نہرو کے انتقال کے بعد تو ان عہدوں کے لیے نہ صرف وزیر اعظم کا پسندیدہ ہونا ضروری سمجھا گیا جس کا انجام یہ ہوا کہ ہمارے صدر اور نائب صدر بھی عہدوں پر فائز ہونے کے بعد پارٹی وفاداری سے آزاد نہیں ہو سکے، اس میں اگر کوئی مستثنیٰ دکھائی دیتے ہیں تو وہ تھے نیلم سنجیوا ریڈی۔

حال ہی میں الیکشن کمیشن نے صدر اور نائب صدر کے عہدوں کے لیے وہپ نہ جاری کرنے کا مشورہ دیکر اسی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان عہدوں کو پارٹی کے جذبہ سے اوپر اٹھ کر دیکھا جانا چاہیے۔ کیونکہ نائب صدر راجیہ سبھا کا چیرمین ہوتا ہے۔ اس لیے حکمران پارٹی کی یہ کوشش رہتی ہے کہ یہ عہدہ اس کے پاس رہے۔ عارضی وفاداری کی ملی جلی سرکاروں اور محاذ کے اس دور میں ایوان کے افسروں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ دل بدل مخالف قانون نے ان عہدیداران کے ہاتھوں میں ایسی جادو کی چھڑی دیدی ہے جس سے وہ ایوان کی اقلیت کو اکثریت اور اکثریت کو اقلیت میں بدل سکتے ہیں، یہ قانون ۳۰ جنوری ۱۹۸۵ء کو اتفاق رائے سے پاس ہوا تھا۔ گذشتہ بارہ برسوں میں اس نے جمہوریت کو مضحکہ خیز بنانے کا جتنا کام کیا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کیا۔

ہندستان کے پانچسو علماء پہلے ہی ترک موالات کا فتویٰ دے چکے ہیں

بقیہ صفحہ ۹ سے

قرارداد تھی جو گھڑے ہو کر پاس کی گئی محض کذب ہے۔ کم از کم دو اور قراردادیں اسی طرح پاس کی گئی ہیں جن کی رپورٹ اخبارات میں بھی موجود ہے میں سوائے اس کے سرکاری گواہوں کی مقدس روایات برقرار رکھنی مقصود ہوں اس جھوٹ کا مقصد اور کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو گورنمنٹ کو جان بوجھ کر اس قرارداد نیز قرارداد منظور شدہ کوکنگ کانفرنس کا مفہوم غلط سمجھایا گیا ہے اور یا خود گورنمنٹ کا منشا یہی ہے کہ اس تجویز کے اس حصے پر جس کا تعلق فوج سے ہے خواہ مخواہ جھوٹا زور دیا جائے تاکہ وائسرائے کی عہد شکنی کو بجا اور درست قرار دیا جا سکے جو انہوں نے ہمارے خلاف مقدمہ چلائے جانے کے متعلق کیا تھا۔ بہر حال یہ ان کا کام ہے اور سوائے شکریہ کے مجھے کچھ کہنا نہیں ہے کیوں کہ آخر کار میدان میں آکر گورنمنٹ نے اسلام کو چیلنج دے دیا ہے کہ اسلام اپنی حفاظت میں جو چاہے کر لے۔ کوکنگ اور کراچی کانفرنسوں کے وقت ہر شخص پر یہ امر روشن تھا کہ محافظ اسلام اور خلافت اسلامیہ کے خلافت جسکو حکومت برطانیہ تباہ کرنے اور دوسروں سے تباہ کرانے میں ہر امکانی کوشش کر چکی تھی، دوبارہ جنگی کارروائی شروع کر دینے میں محض ایک اشارہ کی دیر تھی۔ ہندوستانی مسلمان جو حکومت کو بار بار متنبہ کر چکے تھے اس وقت نہایت سرعت سے صبر کو ہاتھ سے کھو رہے تھے اور ہم کو خطرہ تھا کہ خلافت کو بچانے اور حکومت سے مذہبی احکام منوانے کے لئے ہمارے جوشیلے مسلمان بھائی جو خود سر تو نہیں ہیں لیکن شاید بے فائدہ قوت سے کام لے کر کہیں ہندوستان کے امن میں خلل انداز نہ ہو جائیں ہم نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا جو خدا اور اسکے بندوں سے تعلق رکھتی ہے اور ہم نے مسلمانوں کی منتشر توجہ کو ایک نتیجہ خیز سمت کی طرف منعطف کرایا۔

مجسٹریٹ: میں لکھنے کیلئے تیار ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ صرف مقدمہ کے متعلق اپنا بیان دے دیں۔ مقدمہ کے بعد آپ کو آزادی ہوگی کہ تقریر کریں جس کو لکھنے کی مجھ کو ضرورت نہیں۔

مولانا محمد علی: میرے خیال میں آپ کو زیادہ دیر تک تکلیف نہ دوں گا۔ میں صرف وہی شہادت بہم پہنچانا چاہتا ہوں جو آپ کے کام آئے۔ تقریر کرنے کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ باقی میں مشکور ہوں آپ کی اجازت سے بعد میں فائدہ اٹھاؤں گا۔ مسکرا کر کہا کہ آپ ہم کو جلاوطن کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ کیا پانچ منٹ بھی ہماری بات سننی گوارا نہیں کر سکتے۔

ہم نے حکومت کو دو باتوں کے متعلق آگاہ کیا۔ اوّل یہ کہ ہم کانگریس کی معیت میں قانون شکنی کی ابتدا کریں گے اور دوم یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کے آئندہ اجلاس دسمبر میں ہندوستان کی آزادی اور انعقاد جمہوریہ ہند کا اعلان کریں گے۔ لیکن یہ دونوں امور برطانیہ کی جانب سے خفیہ یا اعلانیہ، بلاواسطہ یا بواسطہ یونان اسلام کی بقیہ قوت کے خلاف دوبارہ جنگی کارروائی شروع کرنے پر مشروط تھے۔

ملک کے ہر اخبار نے خواہ وہ موالاتیوں کا ہو یا تارکین موالات کا جمہوریہ ہند کے مسئلہ پر خوب بحث کی۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ کسی نے ہندوستانی فوج کے مسئلہ پر بھی پبلک میں بحث کی ہو کیوں کہ خود دونوں قراردادوں کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ مسئلہ محض ضمناً داخل کیا گیا تھا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے پانسو مقتدر علماء نے کئی مہینے پہلے ترک موالات کے متعلق نہایت صریح اور واضح فتویٰ صادر فرما دیا تھا۔ جو کانسل کی ممبری، وکالت سرکاری اور امدادی مدارس میں تعلیم، خطابات و اعزاز اور نیز سرکاری ملازمت خواہ فوجی ہو یا سول، ان سب مسائل پر حاوی تھا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ کوکنگ اور کراچی میں صرف اس غرض سے کانفرنس منعقد کی گئی تھی کہ غریب خطاب یافتگان سے ان خطابات کو چھوڑنے کی درخواست کرے جو انہوں نے عزت کو بیچ کر حاصل کئے تھے اور جن کو سینہ سے لگائے ہوئے تھے (ہنسی) ..... تو شاید اس سعی سے زیادہ مضحکہ خیز نہ ہوتا جو اتنے عرصہ کے بعد وفادار فوج کی وفاداری میں مداخلت کرنے کی سازش دریافت کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ زیادہ مضحکہ خیز نہ ہوتا کیوں کہ جہاں مجھ کو ان خطاب یافتگان سے مایوسی ہے وہاں اپنی وفادار فوج سے پوری امید ہے۔ ہماری مجوزہ گرفتاری کے متعلق گورنمنٹ نے جو آخری اعلان شائع کیا ہے، اس میں بھی فوجیوں کو تعریف کے ذلت آمیز الفاظ سے یاد کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور جس حد تک وہ اس تعریف کے مستحق ہیں وہ ان کی مذہبی پستی اور ابتری کی بھی حد ہے۔ جہاں ان جیسی ایک مذہبی جماعت کو ایک لامذہب حکومت نے پہنچا دیا ہے اگر یہ تعریف بجا اور درست ہے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ ہمارے کرم کا نتیجہ ہے اور اس انتہائی غفلت اور لاپروائی کا پھل ہے جو ہم نے اپنے ان غریب فوجی بھائیوں کی طرف برتی ہے جو اب ہماری ضرورت کے وقت ہم کو سزا دینے کے لئے تیار ہیں لیکن اب ہم اپنے ان بھولے اور سیدھے سادے بھائیوں کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے اگرچہ مجھ کو ان اشتہاروں کے وجود کا بالکل علم نہ تھا جو فوجی مسلمان افسروں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ ان مسلمان فوجیوں کو افسر کے لقب سے خطاب کرنا بھی ستم ظریفی ہے۔ تاہم مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ آخر کار خدا کا یہ پیغام جمعیۃ العلماء ہند نے ہندوستانی فوج تک پہنچا دیا ہے۔ (اس جگہ معظم علی صاحب نے کان میں کچھ کہا) میں اپنی غلطی کو درست کرنا چاہتا ہوں کہ کیوں کہ مجھ کو ابھی اطلاع ملی ہے کہ جمعیۃ العلماء نے فوج کے نام اس قسم کے اشتہارات کے اجرا سے انکار کیا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ وہ اس جعل سازی کو بہت جلد واقعہ کر کے دکھائیں گے۔

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ۱۸۵۸ء میں جب کہ اس ملک میں غدر ہوا تھا تو اس میں ہندوستانی فوج نے حصہ لیا تھا اور یہ مذہبی مسئلہ کی بنا پر تھا اس وقت ملکہ وکٹوریہ نے سب سے پہلے عنان حکومت ہاتھ میں لی اور لوگوں کو اطمینان دلانے کے لئے ایک اعلان شائع کیا۔ اس اعلان میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ خسروان انگلستان کے خطابات میں سے دین پناہ کا نمایاں خطاب بھی تھا۔ اور اس زمانہ کے وزیر اعظم کو جو موجودہ وزیر اعظم کی طرح چالاک تھے۔ یہ امید تھی کہ اس نمایاں خطاب کا ترجمہ جب ہندوستانی زبان میں ہوگا تو اس کے مفہوم میں تمام مذاہب کی حفاظت شامل ہوگی لیکن ملکی زبان دانوں نے ان کو آگاہ کر دیا کہ اس خطاب سے ہندوستانی یہ سمجھیں گے کہ ملکہ معظمہ ہندوستان کے تمام مذاہب کی مخالفت میں اپنے مذہب کی خاص حمایت و معاونت کریں گی اس لئے لارڈ ڈربی نے ارادہ کیا کہ اس خطاب کو حذف کر دیں۔ لیکن اس وقت انہوں نے خود ملکہ معظمہ کی مرضی دریافت کی تو ملکہ نے اس تحریف سے قطعاً انکار کیا۔

ملکہ کے کہنے سے لارڈ ڈربی نے خود اعلان کا مسودہ تیار کیا، اور اس میں پہلا پیراگراف درج کیا جس میں ہندوستانیوں کے متعلق ملکہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "ہم ان ذمہ داریوں کو خدا کے فضل و کرم سے نہایت ایمانداری اور دیانت داری سے پورا کریں گے۔" اس پیراگراف میں ہمارے مذاہب کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"عیسائی مذہب کی صداقت پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے اور شکریہ کے ساتھ اس اطمینان کو قبول کرتے ہوئے جو مذہب کی وجہ سے حاصل ہے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم کو اپنا مذہبی اعتقاد اپنی رعایا پر عائد کرنے کا حق ہے اور نہ ہم کو اس کی خواہش ہے۔"

پھر بھی ڈھائی روز سے میرے دوست وکیل سرکار چھ مقتدر مسلمانوں اور ایک نہایت مقدس ہندو پر نہ معلوم کس کے عقائد عائد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے تو یہ عقائد یقیناً نہیں ہیں جو وہ یہاں بیان کر رہے ہیں۔ اعلان مذکورہ میں درج ہے کہ:

ہم اپنی مرضی اور خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ اس کے مذہبی عقائد اور عبادات کی بنا پر نہ تو رعایت برتی جائے گی اور نہ اس کو ستایا جائے گا اور نہ پریشان کیا جائے گا بلکہ سب کو برابر قانون کی غیر جانبدارانہ حفاظت حاصل ہوگی۔"

(مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس پر عمل کریں گے)

"ہم نہایت زور کے ساتھ اپنے حکام ماتحت کو حکم دیتے ہیں، کہ وہ ہماری رعایا کے مذہبی عقائد و عبادات میں ہر قسم کی مداخلت سے مجتنب رہیں ورنہ ہماری سخت ناراضگی کا باعث ہوگا۔"

اس اعلان میں حکام کے سلسلہ میں سب سے پہلے خود گورنر جنرل کا ذکر ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان ہی کی مرضی اور تائید سے ہم کو ہمارے مذہبی عقائد کی بنا پر ستایا اور پریشان کیا گیا ہے اور اب ہم پر جو عقائد عاید کئے جائیں گے جو ذیر تعزیرات ہند مختلف الرائی دفعات ہوں گی۔

نوٹ: اسوقت دو بج کر دس منٹ پر عدالت کی کارروائی کر دی گئی اور بعد نماز ظہر تین بجے سے پھر کارروائی شروع ہوئی۔ جب کہ مولانا محمد علی صاحب نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اس اعلان کے آخری جملہ کا مسودہ خود ملکہ معظمہ نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا چنانچہ ہندوستانیوں کی طرف اشارہ کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ:

"ان کی خوش حالی ہمارے لئے باعث قوت ہوگی۔ ان کا اطمینان ہماری پناہ اور ان کا شکریہ ہمارے لئے بہترین انعام ہوگا۔ خدائے قادر سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اور ہمارے حکام ماتحت کو اتنی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ہماری رعایا کی بہبودی کے لئے ہماری مرضی کے مطابق عمل کریں۔"

ہندستان میں نظام حکومت برطانیہ کے استحکام کے لئے یہ اعلان اس قدر بنیادی اور اہم سمجھا گیا ہے کہ جب پچاس سال بعد اس واقعہ کی پچاسویں یادگار کے موقعہ پر ملکہ معظمہ کے فرزند اور جانشین پادشاہ ایڈورڈ، ہفتم نے اعلان شائع کیا تو اس میں انہوں نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا کہ اس سے ایک دور جدید کا آغاز ہو گیا۔ ہر دو اعلانات کے مابین پچاس سال کے عرصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ہم 'گذشتہ نصف صدی کی کارگزاری پر نہایت اطمینان اور پاک باطنی کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں۔" آگے چل کر وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہماری رعایا کے کسی فرد کے ساتھ مذہبی عقائد اور عبادات کی بنا پر نہ تو رعایت برتی گئی ہے اور نہ کسی کو ستایا اور پریشان کیا گیا ہے سب نے قانون کی حفاظت حاصل کی ہے اور قانون کا اجرا بھی اس طرح کیا گیا ہے کہ اس سے کسی مذہب، ذات یا دستور کی جو تمہاری تمدن کے ساتھ وابستہ ہیں بے ادبی نہیں ہوئی۔ "جس وقت موجود شہنشاہ تخت پر بیٹھے تو انہوں نے ۲۴ مئی ۱۹۱۰ کو ہندوستان کے والیان ریاست اور عام لوگوں کے نام ایک خط شائع کیا جس میں انہوں نے ہر دو اعلانات مذکورہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "یہ شاہی حکومت کے شریفانہ اور ہمدردانہ رویہ کی اسناد ہیں اور میں خود عمر بھر دیانت داری کے ساتھ اس رویہ کا پابند رہوں گا۔"

لیکن اگر قانون کی حفاظت اسی کا نام ہے جو اس وقت ہم کو حاصل ہے تو کوئی بادشاہ

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

اسلام میں صرف خدا کی بادشاہت تسلیم کی گئی ہے

(بقیہ صفحہ ۱۲ سے)

اپنی حکومت کی کارگزاری کو اطمینان اور پاک باطنی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا اور بے کار اسناد صرف اس کام کی ہیں کہ شاہی حکومت کے اس شریفانہ اور ہمدردانہ رویہ کا مضحکہ اڑائیں جس کی وجہ سے آج یہ کوشش کی جارہی ہے کہ ایک مومن جماعت پر مشرکانہ عقائد عائد کئے جائیں اور اس سے خدا کو جو ضروریات زندگی کے لئے اہم اور حی القیوم ہے محض ایک گڈا منوالیا جائے، ورنہ پھر اس قیمتی مقدمہ کا کیا مقصد ہے۔ ہم ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور مسلمان کس کے عقائد کی پابندی کریں؟

اگر میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی غلطی کروں تو مجھ کو میری غلطی کا یقین دلانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ قرآن شریف یا احادیث صحیحہ کی طرف مجھ کو توجہ دلائی جائے یا زمانہ ماضی یا حال کے مقتدر علماء کے فتوی دکھائے جائیں جو ان ہی دونوں مذکورہ بالا کتب پر مبنی ہوں۔ میرا دعوی یہ ہے کہ آج میں غلطی پر نہیں ہوں۔ کیوں کہ تمام مذہبی احکام موجود حالت میں مجھ سے ویسے ان ہی خیالات کا مطالبہ کررہے ہیں جن کی وجہ سے وہ حکومت جو خود شیطانی حکومت کہلوانا نہیں چاہتی میرے خلاف مقدمہ چلارہی ہے۔ اگر اس وقت کسی امر کی طرف سے غفلت برتنا میرے لئے مسلک معصیت قرار پاتا ہے اور غفلت نہ برتنے کی صورت میں بھی میں مجرم ٹھہرتا ہوں تو میں اپنے آپ کو اس ملک میں کس طرح محفوظ سمجھوں؟

مجھ کو سوائے اس کے اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ یا تو گنہگار یا مجرم قرار پاؤں۔ میں ایشائی نسل کے ایک برطانوی وزیر اعظم اور ان ہی کے ہم نسل موجودہ وزیر ہند اور وائسرائے کی طرح ان سے زیادہ خلوص اور انکساری کے ساتھ فرشتوں کا ساتھ دینا پسند کروں گا۔

اسلام میں صرف ایک ہی بادشاہت تسلیم کی گئی ہے اور وہ خدائے تعالی بادشاہت کی ہے جو غیر مشروط، غیر منقسم اور غیر منتقل ہے جیسا کہ حضرت یوسف کی گفتگو سے واضح ہے جو انہوں نے اپنے قید خانہ کے ساتھیوں سے کی اور جو قرآن شریف کے بارہویں پارہ میں مذکور ہے۔

یصاحبی السجن ، ارباب متفرقون خیر ام الله الواحد القهاره ما تعبدون من دونه الا اسماء سمیتموها انتم و آباء کم ما انزل الله بها من سلطن ط امر الا تعبدوا الا ایاه. ذلك الدین القیم ولکن اکثرالناس لایعلمون ٥

(اے میرے جیل خانہ کے رفیق بہت سے خدا بہتر ہیں یا ایک خدائے قہار تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنے خدا اس کے نام رکھ لئے ہیں تم ان کی عبادت نہ کرو۔ خدا نے ان کے لئے کوئی سند نہیں بھیج دی ہے۔ خدا کے سوا اور کسی کی حکومت (قابل تسلیم) نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم سوائے اس کے اور کسی کی عبادت (غلامی) نہ کرو یہی مضبوط دین ہے لیکن بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے)

میرا خیال ہے کہ یہ نصیحت موجود زمانہ پر نہایت عمدگی کے ساتھ منطبق ہوسکتی ہے جب کہ عالت یہاں تک ابتر ہوگئی ہے کہ جونہی مغربی کمان کے ایک صوبہ دار میجر کے پاس قرآن شریف کی چند آیتیں اور کچھ حدیثیں پہنچتی ہیں جو اس کو اس کے اولین فرض یعنی خالق کی بندگی کی طرف دعوت دیتی ہیں تو فوراً گھبرا کر کمانڈنگ افسر کے پاس دوڑا ہوا جاتا ہے اور ان احکام الٰہی کو اس کے حوالہ کردیتا ہے۔

خدا کی بادشاہت وقتاً فوقتاً قبائل اور اقوام میں پیغمبروں کی وساطت سے جاری رہی اور جب خاتم النبین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام امن و دنیا کو پہنچا کر رخصت ہوئے تو ان کے جانشین خلفاء امراء المؤمنین کہلائے۔ یہ سلسلہ آج تک قائم ہے اور موجودہ امیر المومنین حضرت سلطان المعظم سلطان ترکی ہیں۔ جس اطاعت کا اسلام نے مسلمان کو حکم دیا ہے، خواہ فوجی ہو یا مدنی مسلم حکومت کے ماتحت رہتا ہو یا غیر مسلم حکومت کے ماتحت، وہ صرف خدا اور رسول اور مسلمانوں ہی میں سے اولی الامر کی اطاعت ہے جن سے زیادہ تر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور خلفاء مراد ہیں۔ لیکن آخر الذکر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی طرح غیر مشروط نہیں ہے بلکہ چند شرائط پر مبنی ہے جیسا کہ قرآن شریف کی چوتھی سورت سورہ نساء سے صاف ظاہر ہے:

یاایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله والیوم الاخر؛ ذلک خیر واحسن تاویلا ٥

(اے مسلمانو! خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو، جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔ (یعنی خلفاء) لیکن اگر کبھی کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تمہارا خدائے پاک اور روز آخرت پر ایمان ہے، تو یہی بہتر اور منصفانہ ارادہ ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر المومنین نائب رسول بھی کسی مسلمان کو ایسا کام کرنے کا حکم دیں جو وہ پسند نہ کرے تو اس وقت نہ صرف اس مسلمان کو حق ہے بلکہ ہدایت کی گئی ہے کہ اس قضیہ کو جو اس کے اور سب سے بڑی قابل تسلیم دینوی قوت کے درمیان ہے فیصلہ کے لئے قرآن شریف اور احادیث نبوی کی طرف رجوع کرے۔ یہی اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ جس کا خلاصہ مشہور کلمہ توحید لااله الا الله محمد رسول الله ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) مسئلہ توحید ریاضی کا کوئی گر نہیں ہے جس کو دقیق خیال رکھنے والوں نے دقیق خیالات رکھنے والوں کے لئے مرتب کیا ہو۔ بلکہ یہ ایک اعتقاد ہے جو ہر عالم اور ان پڑھ مسلمان کے روزانہ اعمال میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی عقیدہ کی پاکیزگی اور صفائی کا امتحان کرنے کے خیال سے حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے ایک روز جماعت مسلمین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے کہ میں خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑا فاتح ہوں، اگر میں احکام خدا اور رسول کے خلاف تم کو حکم دوں تو تم میرا کیا کرو؟

مسلمان کے لئے اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا جو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دے دیا۔ (جو بعد میں خود بھی خلیفہ ہوئے) اور وہ یہ تھا کہ اگر حضرت عمرؓ نے خدا کے احکام کے خلاف کوئی حکم دیا تو میں (حضرت علیؓ) جس نے بیعت طاعت خلیفہ کی ہے تمہارا سر کاٹ لینے میں ذرا بھی دریغ نہ کروں گا۔ مجھے یاد ہے کہ اسی قسم کا ایک واقعہ برطانیہ کے دوران حکومت انگلستان (ہندوستان نہیں انگلستان) میں بھی ہو چکا ہے جب کہ Puritans (پکے عیسائیوں کی جماعت) نے اس بادشاہ کا سر بھٹا سا اڑا کر رکھا دیا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ بادشاہوں کو بھی خدا کی طرح اپنے سب احکام بلاچون وچرا منوانے کا حق ہے مسلمان اس سے قبل دوسرے ممالک میں بھی امن کے ساتھ غیر مسلم حکومتوں کے ماتحت رہ چکے ہیں۔ لیکن ہمیشہ اسی غیر متبدل اصول کی پابندی کے ساتھ کہ دنیوی حکام کے احکام اور قوانین کی پابندی اسی وقت تک ہو سکتی ہے جب کہ وہ احکام خداوندی کی نافرمانی کا باعث نہ ہوں جو قرآن شریف کے زوردار الفاظ میں احکم الحاکمین ہے۔

اطاعت کی یہ نہایت واضح اور صریح حدود صرف غیر مسلم سلطنتوں کے احکام کے متعلق نہیں ہیں، بلکہ بالکل عام ہیں اور ان میں کسی صورت سے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

(مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ بیان تو نہیں دیتے، تقریر کر رہے ہیں۔ مولانا محمد علی نے جواب دیا۔ یہ بیان ہی ہے تقریر نہیں ہے)

پھر اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میرے حکمران ہز ہائینس نواب صاحب رامپور پھر ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلی حضرت حضور نظام دکن، حتی کہ خود اعلی حضرت حضور سلطان المعظم ترکی بھی اپنی مسلمان رعایا سے اپنے کسی ایسے حکم کے ماننے کا مطالبہ نہیں کر سکتے جس کے ماننے سے قانون اسلام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ ذیل کی صحیح حدیث سے انہیں اصول پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

"مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو حکم اس کو دیا جائے اس کو سنے اور بجالائے خواہ وہ حکم اس کو پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ اس حکم میں خدا کی نافرمانی نہ ہو۔ لیکن اگر نافرمانی ہو تو ایسے حکم نہ سنے اور نہ اس کی اطاعت کرے۔

دوسری حدیث میں ہے "جس بات میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ اطاعت صرف نیک امور میں ہونی چاہئے۔

یہی خیال ایک دوسری حدیث شریف میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا استدلال ناقابل تسخیر ہے۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخلق۔ "جس بات میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔"

ہندوستانی وفد خلافت نے جس کی سرکردگی کا شرف مجھ کو عطا ہوا تھا بذریعہ تحریر جس میں متعدد و مرتبہ مذکورہ بالا حدیث لکھی گئی تھی اور نیز زبانی ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ کو ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ میں دوران ملاقات میں مسٹر لائڈ جارج کو ان آخری نتائج سے آگاہ اور متنبہ کردیا تھا۔ جن کی طرف ان کی حکومت کا خلافت اور اسلام کے ساتھ معاندانہ رویہ مسلمانان ہندو کو مجبور کر کے لے جارہا تھا۔

لہذا عام مسلمانان ہند کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی ہے اور نہ خود ہمارے رویہ میں جس سے حکومت متحیر ہو جائے۔ ہم کو خدا کا فرض بھی ادا کرنا ہے اور حکومت کا بھی۔ لیکن جب آخر کار شاہی حکومت کے مطالبات، خدا کی حکومت سے متصادم ہو گئے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم صرف خدا کی اطاعت کر سکتے تھے۔ چنانچہ اپنی حقیر بساط کے مطابق اب بھی ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ خدا کی اطاعت پر قائم رہیں۔ مسلمان کی محبت اور نفرت دونوں اللہ کی خوشنودی اور خفگی کے تابع ہیں جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الحب لله والبغض لله۔ جب تک حکومت نے زبردستی مجبور کر کے مسلمانوں کو یہ یقین نہ دلادیا کہ گورنمنٹ خدا اور اسلام کی دشمن ہے۔ مسلمان ہر حال میں وفادار رہے اور ان کی وفاداری اس تک پہنچ گئی کہ اکثر ہمسایہ قومیں ان پر طعنہ زن ہونے لگیں جو بعض اوقات بجا اور درست بھی تھا لیکن گذشتہ دس سال سے اسلامی ممالک اور خصوصاً خلافت کے ساتھ جس کی اطاعت ہر مسلمان کے مذہبی فرائض میں داخل ہے حکومت کا رویہ دیکھ کر اب مسلمانوں کو یقین کامل ہو گیا ہے، کہ حکومت مذہب اور ملک دونوں کی دشمن ہے۔ گذشتہ دوران جنگ میں جو خلافت کے خلاف اب تک جاری ہے حکومت نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ متعدد مرتبہ وعدے کئے تھے کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ جو محض عمارتیں نہیں بلکہ ممالک میں ہر قسم کی مداخلت اور دست اندازی سے محفوظ رہیں گے اور دار الخلافہ قسطنطنیہ، سمرنا، تھریس خلیفہ ہی کے قبضہ میں رہیں گے۔ ان وعدوں کو اس طرح بے پرواہی اور آسانی کے ساتھ توڑ دیا گیا جس طرح مسلمانوں کو خلیفہ کی افواج کے مقابلہ میں لڑا کر ان مذہبی فرائض اور احکام کو پامال کیا گیا جن کی حرمت برقرار رکھنے کا عہد مسلمانوں کی وفاداری کی بنیاد تھا اعلان جہاد کے بعد بھی ہمارے فاقہ زدہ اور خوف زدہ سورماؤں کو

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے
میں سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں

تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں قائم ہونے والے مقدمہ کلکتہ میں امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے طویل بیان کا اہم حصہ

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ صرف انہی دو موقعوں پر بلکہ گذشتہ سال کے اندر اپنی بے شمار تقریروں میں یہ اور اسی مطلب کے لئے اس سے زیادہ واضح اور قطعی جملے کہے ہیں۔ ایسا کہنا میرے اعتقاد میں میرا فرض ہے۔ میں فرض کی تعمیل سے اس لئے باز نہیں رہ سکتا کہ وہ ۱۲۴ الف کا جرم قرار دیا جائیگا۔ میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور جب تک بول سکتا ہوں ایسا ہی کہتا رہوں گا اگر میں ایسا نہ کہوں تو اپنے آپ کو خدا اور اس کے بندوں کے آگے بدترین گناہ کا مرتکب سمجھوں۔

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے

یقیناً میں نے کہا ہے موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے لیکن اگر میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں میں نہیں جانتا کہ کیوں مجھ سے یہ توقع کی جائے کہ ایک چیز کو اسکے اصلی نام سے نہ پکاروں؟ میں سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔

میں کم سے کم اور نرم سے نرم لفظ جو اس بارے میں بول سکتا ہوں یہی ہے۔ ایسی ملفوظ صداقت جو اس سے کم ہو میرے علم میں کوئی نہیں۔

میں یقیناً یہ کہتا رہا ہوں کہ ہمارا فرض کے سامنے دو ہی راہیں ہیں۔ گورنمنٹ ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائے اور اگر باز نہیں آسکتی تو مٹادی جائے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ انسانی اعتقاد کی اتنی پرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عمر کہے جاسکتے ہیں جو چیز بری ہے اسے یا تو درست ہو جانا چاہئے یا مٹ جانا چاہئے، تیسری بات کیا ہو سکتی ہے جب کہ میں اس گورنمنٹ کی برائیوں پر یقین رکھتا ہوں تو یقیناً یہ دعا نہیں مانگ سکتا کہ درست بھی نہ ہو اور اس کی عمر بھی دراز ہو۔

میرا یہ اعتقاد کیوں ہے

میرا اور میرے کروڑوں ہم وطنوں کا ایسا اعتقاد کیوں ہے؟ اس کے وجوہ اور دلائل اب اس قدر آشکار ہو چکے ہیں کہ مشن کے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے "سورج کے بعد دنیا کی ہر چیز زیادہ واضح اور محسوس" محسوسات سے لئے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ انکار نہ کرو، تاہم میں کہنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ اعتقاد اس لئے ہے کہ میں ہندوستانی ہوں، اس لئے ہے کہ میں مسلمان ہوں، اس لئے ہے کہ میں انسان ہوں۔

شخصی اقتدار بالذات ظلم ہے

میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی انسان یا انسانوں کی گڑھی ہوئی بیوروکریسی یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے پس میں موجودہ گورنمنٹ کو جائز تسلیم نہیں کرتا اور اپنا ملکی، مذہبی اور انسانی فرض سمجھتا ہوں کہ اس کی محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔

اصطلاحات اور بتدریج توسیع

اختیارات کا مشہور مغالطہ میرے اس صاف اور قطعی اعتقاد میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کر سکتا۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اور کسی انسان کو اختیار نہیں کہ حقوق کی ادائیگی میں حد بندی اور تقسیم کرے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم کو اس کی آزادی بتدریج ملنی چاہئے بعینہ ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مالک کو اس کی جائداد اور قرضدار کو اس کا قرض ٹکڑے ٹکڑے کرکے دینا چاہئے میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مقروض سے ایک ہی دفعہ قرض واپس نہ مل سکے تو قرض دار کو یہی کرنا پڑے گا کہ قسط کی صورت میں وصول کرے لیکن یہ ایک مجبوری کا سمجھوتہ ہوگا، اس سے بہ یک دفعہ وصولی کا حق زائل نہیں ہو سکتا۔

ریفارم کی نسبت میں روس کے عظیم الشان لیو ٹالسٹائی (Leo Tales-toy) کے لفظوں میں کہوں گا "اگر قیدیوں کو اپنے ووٹ سے اپنا جیلر منتخب کرنے اختیار مل جائے تو اس سے وہ آزاد نہیں ہو جائیں گے۔"

میرے لئے اس کے اچھے برے کاموں کا سوال ایک ثانوی سوال ہے۔ پہلا سوال خود اس کے وجود کا ہے۔ مگر ایسے حاکمانہ اقتدار کو بہ اعتبار اس کی خلقت ہی کے ناجائز یقین کرتا ہوں۔ اگر وہ تمام ناانصافیاں ظہور میں نہ آتیں جو اس کثرت سے واقع ہو چکی ہیں۔ جب بھی میرے اعتقاد میں وہ ظلم تھا کیونکہ اس کی ہستی ہی سب سے بڑی ناانصافی ہے اور اس کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ موجود ہو۔ اگر وہ اچھے کام کرے تو اس کی اچھائی تسلیم کرلی جائے گی، لیکن اس کا وجود ناجائز اور ناانصافی رہے گا۔ اگر ایک شخص ہماری جائداد پر قابض ہو کر بہت اچھے اور نیک کام انجام دے تو اس کے کاموں کی خوبی کی وجہ سے اس کا قبضہ جائز نہیں ہو سکتا۔

برائی میں کم و کیفیت کے اعتبار سے تقسیم کی جاسکتی ہے لیکن حسن و قبح کے اعتبار سے اس کی ایک ہی قسم ہے یعنی اس اعتبار سے تقسیم ہو سکتی ہے کہ وہ کتنی ہے اور کیسی ہے، اس اعتبار سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اچھی ہے یا بری ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ بری چوری اور کم بری چوری، لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اچھی چوری اور بری چوری۔ پس میں بیوروکریسی کی اچھائی اور جائز ہونے کا کسی حال میں بھی تصور نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فی نفسہ ایک ناجائز عمل ہے البتہ اس کی برائی کم اور زیادہ ہو سکتی ہے، لیکن ہندوستان کی بیوروکریسی تو اتنا بھی نہ کر سکی کہ اپنی خلقی برائی ہی پر قانع رہتی۔ جب اس کی خلقی برائی پر اس کی بیشمار عملی برائیوں کا برابر اضافہ ہو رہا ہے تو پھر کیونکر اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ظلم کا اعلان نہ کیا جائے۔

اسلام اور بیوروکریسی

میں مسلمان ہوں اور بہ حیثیت مسلمان ہونے کے میرا یہی فرض ہے۔ اسلام کسی ایسے اقتدار کو جائز کو تسلیم نہیں کرتا یا چند تنخواہ دار حاکموں

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

نقل استغاثہ

بعدالت چیف پریسیڈنٹ مجسٹریٹ کلکتہ، برائے گرفتاری زیر دفعہ ۱۲٤-الف تعزیرات ہند
جے۔اے۔ایم۔ گولڈی ڈپٹی کمشنر آف پولیس اسپیشل برانچ، کلکتہ - مدعی
مولانا ابوالکلام آزاد - مدعا علیہ

مذکورہ بالا بیان حسب ذیل ہے:

یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو مدعا علیہ نے مرزاپور پارک میں نان کوآپریشن اور بائیکاٹ کے مضمون پر اردو میں ایک تقریر کی تھی:

(۱) ایک اردو مختصر نویس نے ان کی تقریر کے نوٹ اردو میں لئے۔ مذکورہ بالا نوٹ کے نقل کی ایک اردو کاپی جس پر انگریزی حرف "A" کا نشان بنا ہے منسلک درخواست ہذا ہے۔ مذکور بالا شارٹ ہینڈ نوٹ کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے جسے گورنمنٹ آف بنگال کے ایک بنگالی مترجم نے کیا ہے۔ اس پر انگریزی حرف "B" کا نشان ہے۔

(۲) پھر ۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو ملزم مذکور نے اردو میں ایک دوسری تقریر اسی جگہ اور اسی مضمون پر کی اور ایک اردو رپورٹر نے ان کی پوری تقریر کا اردو شارٹ ہینڈ میں نوٹ لیا۔ اس نوٹ کی ایک نقل جس پر حرف "C" کا نشان ہے منسلک ہے اور دوسرا کاغذ جس پر حرف "D" کا نشان ہے مذکورہ بالا شارٹ ہینڈ نوٹ کا انگریزی ترجمہ ہے جسے گورنمنٹ بنگال کے ایک بنگالی مترجم نے کیا ہے۔

(۳) دونوں موقعوں پر اسپیشل برانچ کے تین اور افسروں نے بھی لانگ ہینڈ میں نوٹ لئے تھے اور وہ اس شارٹ ہینڈ رپورٹ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۴) تقریروں کے دیکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مقرر نے اپنی تقریروں سے گورنمنٹ قائم شدہ بذریعہ قانون کے خلاف لوگوں میں حقارت و نفرت پھیلانے کی کوشش کی اور اس طرح ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے ۱۲۴-الف تعزیرات ہند کے ماتحت سزا کا مستوجب قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۵) گورنر ان کونسل نے مدعی کو یہ حکم اور اختیار دیا ہے کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کو مذکور بالا جرم کی بنا پر زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیرات ہند گرفتار کرے اور ان کے خلاف چارہ جوئی کرے۔ سیکشن کی اصل کاپی منسلک ہے اور اس پر حرف "E" کا نشان ہے۔ لہٰذا مدعی یہ درخواست کرتا ہے کہ مدعی کے خلاف حکم نامہ جاری کیا جائے کہ وہ مذکورہ بالا الزامات کی جواب دہی کرے اور اس کے حاضر ہونے پر مقدمہ چلایا جائے نیز قانون کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔

بقیہ: بیان مقدمہ کلکتہ صفحہ ۱۶ سے

کی بیوروکریسی ہو۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل انتظام ہے جو نوع انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے آیا تھا۔ یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی وہ سمجھتے تھے کہ یہ طاقت اور قبضہ ہے لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں ہے بلکہ خود حق ہے اور خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ بندگان خدا کو اپنا محکوم اور اپنا غلام بنائے اس نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دیے اور دنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت، رنگ معیارِ فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف عمل ہے اور سب بڑا وہی ہے جس کے کام سب سے اچھے ہوں۔

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلکنا شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقکم۔ (سورۂ حجرات آیة ۱۳)

اسلام ایک جمہوری نظام ہے

انسانی حقوق کا یہ وہ اعلان ہے جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس پہلے ہوا۔ یہ صرف اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک عملی نظام تھا جو مشہور مؤرخ گبن کے لفظوں میں ”اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا“۔ پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی اور صرف قوم کی رائے نیابت اور انتخاب سے اس کی بناوٹ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس مقصد کے لئے موجود ہیں، شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام نے بادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے اور صرف ایک رئیسِ جمہوریہ (پریذیڈنٹ آف ری پبلک) کا عہدہ قرار دیا ہے، لیکن اس کے لئے بھی خلیفہ کا لقب تجویز کیا جس کے لغوی معنی نیابت کے ہیں، گویا اس کا اقتدار محض نیابت ہے، اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لئے شوریٰ کا لفظ استعمال کیا وامرھم شوریٰ بینھم۔ چنانچہ ایک پوری سورۃ اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ شوریٰ کے معنی باہم مشورہ کے ہیں یعنی جو کام کیا جائے جماعت کے باہم رائے اور مشورہ سے کیا جائے۔ شخصی رائے اور حکم سے نہ ہو، اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔

قومی اور مسلم بیوروکریسی بھی ظلم ہے

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو منصفانہ تسلیم نہ کریں جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو تو پھر ظاہر ہے کہ

فیصلہ

اس مقدمہ میں مولانا ابوالکلام آزاد زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیرات ہند مجرم قرار دیے جاتے ہیں کیونکہ انھوں نے پہلی جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزاپور اسکوائر میں مسئلہ خلافت، پنجاب اور آزادیٔ وطن کے مضامین پر اور نیز ۱۵ر جولائی ۱۹۹۲۱ء کو اسی مقام پر مسئلہ ترکِ موالات وغیرہ پر اردو میں تقریریں کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے جن کے ذریعہ گورنمنٹ قائم شدہ بروئے قانون کے خلاف لوگوں میں نفرت وحقارت پھیلانے کی کوشش کی۔

افسران مذکور جلسہ میں شریک ہوئے۔ انھوں نے تمام کارروائی اور تقریروں کے نوٹ لئے۔ ان میں ملزم کی تقریر بھی ہے جو اس جلسہ کے صدر تھے۔ جلسہ میں تقریباً بارہ سو آدمیوں کا اجتماع تھا۔ جلسہ کا مقصد خلافت کے تین مبلغ سعید الرحمٰن، اجودھیا پرشاد اور جگمبا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔

منجملہ اور مقرروں کے ملزم نے بھی اردو میں ایک طویل تقریر کی۔ ان تقریروں کے نوٹ اردو شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد نے اور کچھ حصے پولیس کے دوسرے افسروں نے لئے۔ یہ نوٹ مسٹر گولڈی کے سامنے پیش ہوئے۔ انھوں نے ان پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

ابواللیث نے اپنے نوٹ صاف کر کے اس کی نقل مسٹر گولڈی کے پاس بھیج دی۔ دوسرے پولیس افسروں نے ابھی اپنے اسی لانگ ہینڈ نوٹ کی ایک مشترکہ رپورٹ افسر مذکور کے پاس بھیج دی تھی۔

۱۵ر جولائی ۱۹۲۱ء کو مسٹر گولڈی نے اسی اردو شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد، انسپکٹر بی مکرجی، سب انسپکٹر محمد اسمٰعیل اور ایس سی کر کو ایک دوسرے جلسہ کی کارروائیوں اور تقریروں کے نوٹ لینے کے لئے متعین کیا جو اسی مقام پر ہونے والا تھا۔

ملزم حاضرین جلسہ میں تھے۔ انھوں نے مذکورہ بالا خلافت کے تین مبلغین --- سعید الرحمٰن، جگمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی سزایابی کے خلاف اردو میں تقریر کی اور لوگوں کو اس بات کی تلقین کی اور شوق دلایا کہ وہ بھی ان کی پیروی کریں، اور جیل جائیں۔ جلسہ میں دس ہزار کا مجمع تھا۔ ابواللیث نے ملزم کی تقریر کے نوٹ اردو شارٹ ہینڈ میں لئے اور دوسرے افسروں نے ان کے کچھ حصے لانگ ہینڈ میں لئے۔ ابواللیث نے اپنا نوٹ صاف کر کے اس کی نقل اور دیگر افسروں نے ایک مشترکہ رپورٹ مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کر دی۔

ابواللیث کی اردو کی دونوں نقلوں کا ترجمہ سرکاری مترجم مسٹر باباچرن چٹرجی نے کیا ہے۔ مسٹر گولڈی نے نقل اور ترجمہ ملنے کے بعد ملزم کی مذکورہ تقریروں کے خلاف دفعہ ۱۲۴-الف کے ماتحت گرفتار ہونے کی درخواست گورنمنٹ آف بنگال سے کی اور ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو سینکشن حاصل کیا اس نے اس سینکشن کی تصدیق بھی کر دی ہے۔

ابواللیث اور دوسرے افسروں نے حلفیہ بیان کیا ہے کہ یہ نوٹ انھوں نے لئے ہیں اور جو مشترکہ رپورٹ انھوں نے داخل کی ہے وہ درست اور سچی ہے۔ باباچرن چٹرجی نے حلفیہ بیان کیا ہے کہ دونوں نقل کا ترجمہ اس نے کیا ہے، وہ صحیح اور اصلی ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ میں ان کی سچائی میں شبہ کروں۔

ملزم نے ایک طویل بیان داخل کیا ہے جو گورنمنٹ کی برائیوں کی داستان سے پر ہے اس میں نہایت تشریح کے ساتھ ان تمام کارروائیوں کو دکھلایا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ گورنمنٹ کو ظالم گورنمنٹ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور نیز اپنی ان تمام کارروائیوں کا ذکر کیا ہے جو ان غیر قانونی کارروائیوں کے خلاف اس نے کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی تقریروں کی نقل بالکل ناقص، غلط اور مسخ شدہ ہے اور محض بے جوڑ اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن بہرکیف وہ ان تمام حصوں کو تسلیم کرتا ہے جن میں گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار کیا گیا ہے یا پبلک سے گورنمنٹ کے خلاف جدوجہد کی اپیل کی گئی ہے۔ میں نے نہایت احتیاط سے یہ تقریریں پڑھی ہیں اور ان پر کامل غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ باغیانہ ہیں۔ اور یہ کہ ملزم نے ان تقریروں کے ذریعہ گورنمنٹ قائم شدہ ازروئے قانون کے خلاف نفرت وحقارت پھیلانے کی کوشش کی۔

میں ملزم کو حسب دعویٰ استغاثہ مجرم پاتا ہوں اور زیر دفعہ ۱۲۴-الف تعزیرات ہند ایک سال مشقت کی سزا دیتا ہوں۔

۹ر فروری ۱۹۲۲ء — دستخط ڈی سوینہو، چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ، کلکتہ

مسلمانوں کے لئے ایک اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے۔ اگر آج ہندوستان میں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو یا چند حاکموں کی بیوروکریسی ہو تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس وقت بھی میرا فرض یہی ہوگا کہ اس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔ اسلام کے علمائے حق نے ہمیشہ جابر مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی مطالبہ واعلان کیا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے شوکت افسانوں نے مسلمان حکمرانوں کو گمراہ کر دیا۔ اسلامی خلیفہ کی جگہ جو بسا اوقات پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا، انھوں نے قیصر وکسریٰ بننے کو ترجیح دی، تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے جنھوں نے علانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی جھیل نہ لیا ہو جو اس راہ میں پیش آئی ہیں۔

مسلمانوں کا قومی وظیفہ

ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے بالکل ایسی ہی بات ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دستبردار ہو جائے۔ اگر تم کسی آدمی سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ وہ ظلم کو ظلم نہ کہے کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

یہ تو اسلامی زندگی کا عنصر ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد اس کی سب سے بڑی مابہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں۔ ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کرے۔ ٹھیک اسی طرح ہر مسلمان کا بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا اسے علم ویقین دیا گیا ہے ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے اور ادائے فرض کی راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے، علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم وجور کا دور دورہ ہو جائے اور جبر و تشدد کے ذریعے اعلان حق کو روکا جائے تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چپ ہو جانا گوارہ کر لیا جائے اور دو اور دو کو اس لئے چار نہ کہا

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

مسلمانوں کے لئے حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ موالات کا معاملہ کریں

اجلاس دوم جمعیۃ علماء ہند میں حضرت شیخ الہند رح کے خطبہ صدارت کا ایک اہم باب

آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ علمائے ہند کی ایک کثیر جماعت یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مدافعت اعداء کے مادی اسباب نہیں ہیں توپیں، ہوائی جہاز اور بندوقیں ان کے ہاتھ میں نہیں۔ اس لئے مادی جنگ نہیں کر سکتے لیکن انھیں یقین رکھنا چاہیئے کہ جب تک برطانیہ کے وزرا اسلامی مطالبات تسلیم نہ کریں اس وقت تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ان کے ساتھ معاشرتی اور اخلاقی جنگ کی حالت ہے یعنی مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی تعلقات قائم رکھیں جن سے ان کی مخالفانہ اور معاندانہ طاقت کو مدد پہنچے اور ان کے نخوت غرور و تکبر کو تیز کرے۔ مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دشمن اسلام کو دشمن دشمن کے مرتبے میں رکھیں اور ایسے ہی تعلقات کو جو میل جول اور دوستی اور محبت کرنے والے ہیں ایک دم چھوڑ دیں اس اخلاقی جنگ کا نام ترک موالات ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں صریح احکام موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے سورۂ ممتحنہ میں فرمایا ہے: یا ایھا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم واولیاء۔ اے مسلمانوں میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔

ترک موالات

اس آیت میں حضرت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمنان خدا اور دشمنان اہل اسلام کے ساتھ موالات کرنے سے انکار فرمایا ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جس وقت حضور نبی کریم صلعم نے غزوہ فتح مکہ کا ارادہ کیا اور اس کا سامان ہونے لگا تو حاطب بن ابی بلتعہ صحابی نے مشرکین عرب کو ایک اطلاع کا خط لکھا جس میں ان کو متنبہ کیا تھا کہ رسول خدا تمھارے اوپر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تم اپنا برا بھلا سوچ لو۔ چونکہ قریش کے ساتھ ان کا کوئی نسبی تعلق نہ تھا اس لئے انھوں نے چاہا کہ ان کے ساتھ یہ احسان کر دوں اور اس کے بارے میں وہ میرے اہل و عیال اور جائداد وغیرہ کی جو مکہ میں حفاظت کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے اطلاع ہو گئی اور راستے میں سے وہ خط پکڑا گیا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس میں کئی باتیں خاص توجہ کے لائق ہیں۔

اول یہ کہ اس میں حق تعالیٰ نے "عدوکم" فرمایا ہے جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ دشمنان خدا اور دشمنان اہل اسلام سے ترک موالات کا حکم دینے کی علت ان کی عداوت اور دشمنی ہے۔ تو جہاں کہیں عداوت اور دشمنی موجود ہو گی وہاں ترک موالات کا حکم اسی طرح عائد ہو گا جس طرح آیت شریف کے نزول کے واقعہ میں ہوا تھا۔

دوسرے یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کفار کی محبت یا قلبی میلان یا ان کی کفر سے راضی ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کیا تھا بلکہ محض ایک دینوی مصلحت کی وجہ سے کیا تھا اور مصلحت بھی ایسی کہ ان کے اہل و عیال کی کوئی سبیل نہ تھی۔ کیونکہ وہ دشمنوں کے تسلط کے مقام میں تھے، گویا ان کا یہ خبر دینا دشمنوں کی ایک معاونت و محافظت جائداد و اہل و عیال کا معاوضہ تھا باوجودیکہ حضرت حق نے اس کو موالات سے تعبیر فرمایا اور ممانعت کا حکم بھیجا۔

تیسرے یہ کہ حاطب کا یہ فعل

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ترک موالات پر حضرت شیخ الہند رح کا ایک اہم فتویٰ

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومذہب:

۱۔ حالات حاضرہ میں ترک موالات عن النصاریٰ شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

۲۔ صورت موجودہ میں ملک کے اہل ہونے کی ہمدردی مسلمانوں کے ساتھ اور ان کا مرکزی مجلس خلافت کی تجویز ترک موالات کو مفید اور کامیاب بنانے میں مدد دینا اور مسلمانوں کا ان کی ہمدردی و مدد سے مستفیض ہونا۔ عند الشرع کیا حکم رکھتا ہے؟

۳۔ ترک موالات کی تجویز عام کی دفعہ خصوصی مالی لین دین بند کر دینا اور اسی ضمن میں (الف) مدارس قومیہ سے اس کا اجراو نفاذ ضروری ہے یا نہیں؟ (ب) طلباء مدارس قومیہ کا اراکین مدارس سے ایسا مطالبہ کہ وہ ہر ایسی مدد جو تجویز ترک موالات کے خلاف ہے فوراً حاصل کرنا بند کر دیں صحیح ہے یا نہیں؟ (ج) ایسا کرنے میں عاقل و بالغ طلبہ اپنے والدین کی اجازت کے محتاج ہیں یا نہیں؟

المستفتی

فقیر عبدالماجد القادری

بصدر شعبہ تبلیغ مجلس خلافت صوبہ آگرہ

جواب استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و بہ نستعین

نمبری-۱: ترک موالات عن النصاریٰ کے متعلق جو استفتاء اس ضعیف اور درماندہ سے کیا گیا ہے ہر چند اپنے ضعف اور ناتوانائی کے باعث مجبور ہوں اور نہ اپنی تحریر سے کوئی خاص نفع خیال میں آتا ہے، مگر اس حالت میں سکوت اور انکار کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں۔ اس لئے بالاجمال اور بقدر ضرورت و کفایت عرض ہے کہ موالات کفار کی ممانعت اور حرمت قرآن و حدیث میں مصرح ہے اور متعدد مواقع میں موجود ہے۔ بالخصوص ان کے ساتھ جو تخریب اسلام میں ساعی ہو کر جگہ جگہ اسلام و مسلمین کی ہر قسم کی ایذا رسانی کا ثبوت بین دے رہے ہیں اور استقبال میں اس سے زائد اندیشے ہیں۔

ایسے وقت میں ترک موالات کی فرضیت میں تامل کرنا کسی طرح جائز نہیں معلوم ہوتا اور جو خطرات پیش نظر ہیں ہر چند وہ بھی قابل انکار نہیں، مگر ان کے اندیشہ سے سب موجودہ اور آئندہ بلاؤں پر صبر و سکوت کر لینا ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے حقوق و منافع ضروریہ کو متفق ہو کر حکام سے حاصل کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ مسلمانوں کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے جو کچھ نظر آرہا ہے۔ اب آخر تا کجے؟

نمبر-۲: مصائب حاضرہ میں ہندوؤں کی ہمدردی سے فائدہ اٹھانا یا ان کے ساتھ مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کرنا اور جو ہنود اس درد میں ہماری غم خواری کریں ان سے مبرۃ اور اقساط (حسن سلوک) سے پیش آنا شرعاً درست اور جائز ہے۔ ہاں یہ فرض ہے کہ اس امداد سے کسی حکم شرعی میں ادنیٰ خلل اور نقصان نہ آئے۔ اس جواب اور نمبر ایک کے جواب کا ثبوت اس آیت سے واضح ہے۔ (آیت) لاینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔ انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون۔ اس آیت کا شان نزول تفاسیر میں دیکھ لیا جائے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کفار مکہ کی سختیوں سے تنگ آکر ملک حبشہ کی (جو اس وقت کافر تھا) زیر حمایت رہنے کو اہون سمجھنا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ابن الدغنہ کی امان کو قبول کرنا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابو طالب کی وفات پر تاسف انگیز کلمات فرما کر ان کی تائید اور اعانت کو یاد فرمانا نیز بنوخزاعہ اور بعض دوسرے قبائل کا فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ ہونا یہ اور اس قسم کی نظائر کثیرہ بھی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

نمبر-۳: ترک موالات کے متعلق بہت سی جزئیات ہیں جو امر مسلمانوں کو نافع نظر آئے اس کا کرنا ضروری ہے۔ ہاں یہ امر ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مدارس اور اپنے لڑکوں کی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لے کر دینی حسیات اور قومی خصائل پر اس کا نظام قائم کیا جائے۔

علی گڑھ کالج کی ابتدائی حالت میں علماء متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم سے (جو از سر تا پا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے) روکا مگر بدقسمتی کہ وہ رک نہ سکی۔ اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لئے تو قوم کو اس سے بچانا بالبداہۃ ایک ضروری امر ہے۔ طلبہ کے والدین دیکھ بھال کر اور سمجھانے پر بھی اسی تعلیم پر زور دیں اور مذہبی تعلیم سے مانع ہوں تو طلبہ کو ضروری ہے کہ بوجہ اللہ تعلیم مذہبی اور اسلام کی خدمت گذاری کے لئے سعی کریں۔

الملتمس

بندہ محمود حسن عفی عنہ

حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ صدارت کا ایک اہم باب

بقیہ ص۱۸ سے

یعنی خبر دینا کفار کی کوئی مادی مدد کرنا نہ تھا بلکہ صرف ان کو ان کے برے انجام سے خبردار کرنا اور اپنی نجات کا طریقہ سوچ لینے کے لئے ہلاکت وقت سر پر آنے سے موقع بہم پہنچانا تھا مگر صرف اتنی بات کو بھی حق تعالیٰ نے موالات ممنوع میں داخل فرماکر موالات کی ممانعت کا حکم نازل فرمایا۔ حاطب کے اس خفیہ خط کے یہ الفاظ اس مضمون پر پوری روشنی ڈالتے ہیں:

ان رسول الله صلعم يريدكم فخذوا حذركم۔ حضور صلعم تمہارے اوپر حملے کا ارادہ فرمارہے ہیں، تم اپنا بچاؤ اختیار کرو۔

اور جب حضورؐ نے ان سے دریافت کیا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی تو انھوں نے جواب دیا:

ومافعلت كفراً ولا ارتداداً من ديني ولا رضاً بالكفر بعد الاسلام۔ حضورؐ میں نے یہ کام کفر کی وجہ سے یا اسلام سے پھر جانے کے باعث یا اسلام لانے کے بعد کفر سے راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا۔

كان اهلي بين ظهرانيهم فخشيت على اهلي فلاردت ان اتخذلي عندهم يداً وقد علمت ان الله تعالىٰ انزل بهم بامره وان كتابي لايغني عنهم۔ میرے اہل وعیال کفار مکہ کے نرغے میں تھے مجھے ان کی جان کا خوف تھا تو میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ ایک احسان کردوں اور بیشک میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کافروں پر اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرے خط سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حاطبؓ کے اس فعل کو مظاہرات سے تعبیر فرمایا:

لكنه قد نكث وظاهرا عداء ك عليك۔ یا رسول اللہؐ اس حاطب نے اسلام کی بیعت توڑ دی اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی۔

اس کے بعد حضرت حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے:

انها ينهكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم عن تولوهم ومن يولهم فاولئك هم الظلمون۔ یعنی حق تعالیٰ تم کو ایسے لوگوں کی موالات سے منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے والوں کے مددگار ہوئے اور جو لوگ ان سے ترک موالات نہ کریں گے وہ ظالم ہیں۔

جن کافروں میں یہ تین چیزیں پائی جائیں ان کی موالات کو یہ آیت حرام قرار دیتی ہے۔ (۱) مسلمانوں سے دینی لڑائی لڑنا (۲) مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا اور خانہ ویران کرنا (۳) نکالنے والوں کی مدد کرنا۔

پہلی بات یہ کہ برطانیہ کے مسلمانوں سے لڑائی مذہبی لڑائی تھی۔ مسٹر برطانیہ کے وزیر اعظم کے ان الفاظ سے جو جرنیل المینائی کو فتح بیت المقدس کی مبارکباد دیتے وقت کہے گئے تھے۔ اور اس فتح کو شاندار صلیبی فتح قرار دیا گیا تھا۔ صاف ظاہر ہے اور ترکی کے ساتھ التوائے جنگ اور صلح کے شرائط نظر ڈالنے سے موٹی نظر والے کو بھی حقیقت حال نظر آجاتی ہے۔ تھریس پر یونانیوں کو قبضہ دلانا، قسطنطنیہ پر قبضہ کرلینا، اپنے صریح وصاف وعدوں کے خلاف ورزی کرنا، سمرنا میں یونانیوں کے مظالم کو نہ روکنا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بعد کسی کو اس بات میں شبہ باقی نہیں رہتا کہ ترکوں کے ساتھ صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ تمام ناانصافیاں روا رکھی گئی ہیں۔

دوسری بات مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا۔ قسطنطنیہ اور اس کے اطراف سے ہزاروں مسلمان وطن سے نکل بھاگے۔ خود ولی عہد سلطنت نے اسلامی حمیت کی وجہ سے کئی مرتبہ نکلنے کا ارادہ کیا مگر ان کو سخت حراست میں کردیا گیا۔ یونانیوں کے مظالم سے ہزاروں مسلمان سمرنا سے گھربار چھوڑ کر بھاگے۔ قسطنطنیہ سے بہت سے معززین اور مقتدر حضرات کو جلاوطن کرکے مالٹا وغیرہ میں بھیج دیا گیا۔ ●●●

देश की आजादी है जिन वीरों की निशानी
आओ मिलकर याद करें उनकी कुर्बानी

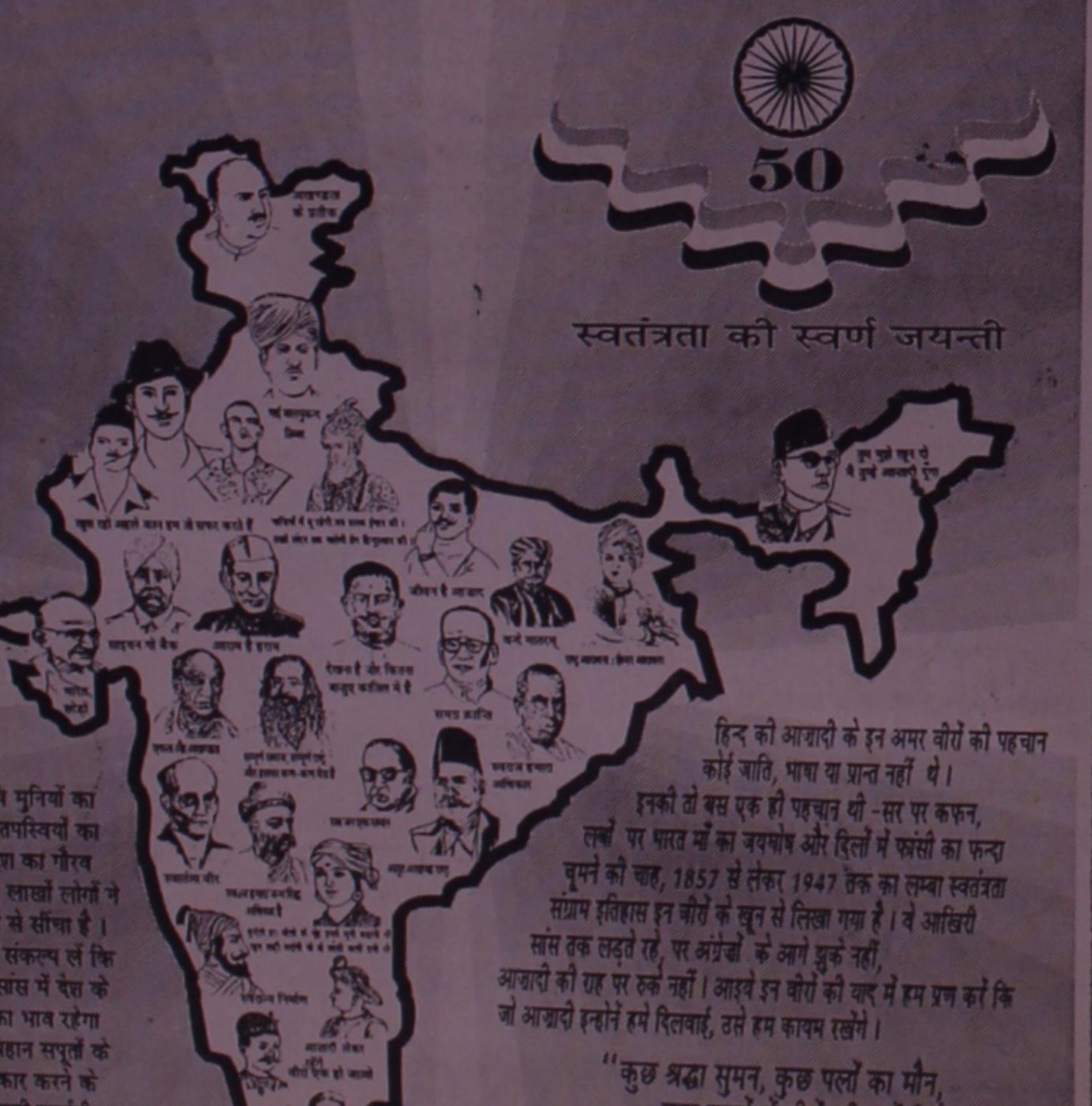

"यह देश ऋषि मुनियों का देश है, त्यागी तपस्वियों का देश है। इस देश का गौरव बढ़ाने के लिये लाखों लोगों ने इसे अपने खून से सींचा है। आइये हम भी संकल्प लें कि हमारे प्रत्येक सांस में देश के प्रति समर्पण का भाव रहेगा और हम इन महान सपूतों के स्वप्नों को साकार करने के लिये बड़ी से बड़ी कुर्बानी देने के लिये हमेशा तत्पर रहेंगे"

साहिब सिंह
मुख्यमंत्री

हिन्द की आज़ादी के इन अमर वीरों की पहचान कोई जाति, भाषा या प्रान्त नहीं थे। इनकी तो बस एक ही पहचान थी -सर पर कफ़न, लबों पर भारत माँ का जयघोष और दिलों में फांसी का फन्दा चूमने की चाह, 1857 से लेकर 1947 तक का लम्बा स्वतंत्रता संग्राम इतिहास इन वीरों के खून से लिखा गया है। वे आखिरी सांस तक लड़ते रहे, पर अंग्रेज़ों के आगे झुके नहीं, आज़ादी की राह पर रुके नहीं। आइये इन वीरों की याद में हम प्रण करें कि जो आज़ादी इन्होंने हमें दिलवाई, उसे हम कायम रखेंगे।

"कुछ श्रद्धा सुमन, कुछ पलों का मौन,
कुछ शब्दों में वीरों की यादें पिरोना,
सच्ची श्रद्धांजलि बस यही है आज
कि सन् 47 का सन्देश हमें रखना है याद
यह देश रहे अटूट, अखण्ड और आजाद
समानता और एकता का सपना पूरा करेंगे तुम्हारा
आजादी की 50वीं सालगिरह पर यह संकल्प है हमारा"

Ankur/DIP/F01/97

दिल्ली सरकार जो कहा वही किया, स्वच्छ पारदर्शी शासन दिया।

جب ہندو مسلم ملکر

ص۲۴ کا بقیہ

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے ان کے قدموں کو چوم لیا اور کہا:

"جو جرأت میں نے آج آپ میں دیکھی ہے، آج تک کسی مجاہد میں نہ دیکھی اور نہ سنی۔"

اور آزادی کے بعد عظیم الشان ایوارڈ "پدم بھوشن" کو ٹھکرادیا اور انسانوں کو دعوت فکر دی کہ:

تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دور خرد میں
اک معرکہ دار و رسن ہم نے بنایا

مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعہ آزادی کا صور پھونکا۔ "الہلال" کا ہر مضمون بقول حضرت شیخ الہندؒ مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلا رہا تھا۔ دوسری طرف رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اپنے انگریزی اخبار "کامریڈ" کے ذریعہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے دلوں میں حریت و خودداری کی بجلیاں چمکا رہے تھے۔ ●●●

تحریک ترک موالات اور جمعیۃ علماء ہند

تجاویز کی روشنی میں

اسلام اور مسلمانوں کے متعلق انگریزوں کی پالیسی اس قدر صاف ہے کہ اس پر روشنی ڈالی جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یوں تو اور بھی عیسائی سلطنتیں مسلمانوں کی مخالف ہیں یا ہو سکتی ہیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کی عداوت و دشمنی میں جو بلند پایہ برطانیہ کا ہے وہ کسی کا نہیں۔ اور یہ آج سے نہیں جب سے انگلستان نے ہوش سنبھالا ہے اسی دن سے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی قسم کھائی ہے۔ انگریزی حکومت کی مسلم کش حکمت عملی ہندوستان و بیرون ہند ہر جگہ یکساں کام کر رہی ہے۔ دنیا نے دیکھا کہ یورپ میں جنگ چھڑی جرمن فرانس اور بلجیم پر چڑھ دوڑا اپنے جنگی بیڑے سے اتحادیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ خلیفۃ المسلمین کئی مہینے کے بعد جب انگریزوں نے غیر جانبداری باقی نہ رکھا شریک جنگ ہوئے۔ وہ بھی اپنے ملک کو بچانے کے واسطے انھوں نے لندن پر چڑھائی نہیں کی تھی باوجود اس کے انگریزوں نے غیر جانبداری کے خلاف مصر میں فوجیں اتار دیں، عراق پر چڑھائی کی، جدہ پر گولہ باری، شام و فلسطین کی طرف سے پیش قدمی کی اور ان ملکوں کو فتح کیا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ مسلمانوں کا ملک تھا۔ التوائے جنگ کی درخواست دی گئی۔ فرضی شرائط صلح کی رو سے ترکی فوجیں منتشر کرادی گئیں۔ جب میدان خالی پایا تو فوراً قسطنطنیہ (دار الخلافہ) پر قبضہ جمالیا۔ صرف عارضی تھا۔ برلن پر نہ دوڑے اس لئے کہ ضرورت نہ تھی کیونکہ جرمنی مسلمان نہ تھا۔ عین صلح کے ایام میں یونان کو اکسا کر سمرنا د نمر لیس پر قبضہ دلا دیا۔ یہ پالیسی تو ہندوستان کے باہر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

اندرون ہند ملاحظہ ہو۔ کانگریس ایک عرصہ سے اور مرکزی خلافت کمیٹی ۱۹ء سے سوراج کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہیں۔ ۲۰ء میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس منعقد ہوتا ہے۔ ترک موالات کا حکم شرعی جو صاف و صریح آیات قرآن کریم سے ثابت ہے بیان کیا جاتا ہے اور اسی سلسلہ میں ۴۷۴ علماء کرام کا دستخطی فتویٰ شائع کیا جاتا ہے کہ دشمنان دین کی جس ملازمت میں امداد اور اعانت ہو اور اپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے وہ قطعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے، ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ خدا کا اس پر غصہ ہوگا اور لعنت۔ اور اس کے لئے خدا نے نہایت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ متفقہ فتوے کا خلاصہ کسی ہمدرد مسلمان بھائی نے اپنے ناواقف شریک کلمہ مسلمان بھائیوں کے لئے چھپوا کر تقسیم کرائے۔ ۸ر جولائی ۲۱ء میں کراچی خلافت کانفرنس منعقد ہوئی اس میں ایک تجویز فتوے کے مضمون کی مرتب کی گئی جس میں قرآن و حدیث کے اسی حکم کو دہرایا تھا جو فتویٰ ہے کہ انگریزی حکومت کی معاونت اور قتل مسلم کی ملازمت کرنا یا ملازم رہنا، ملازم کرانا یا بھرتی کرانا سب حرام ہے۔ ۸ر اگست ۲۱ء کو متفقہ فتویٰ اور اس کا خلاصہ گورنمنٹ نے ضبط کر لیا اور وسط ستمبر ۲۱ء کو رہنمایان ملک و ملت کو مختلف مقامات سے گرفتار کر کے اسی فوج پولیس والی تجویز کی تحریک یا تائید کے جرم میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور دو دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ فیصلہ میں اور اس سے قبل سیشن جج نے متفقہ فتویٰ کو نام نہاد علماء فتویٰ کہا ہے اور جیوری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ملزموں کے مذہب، جذبات و عقائد کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ "یہ اندرون ہند اسلام نوازی ہے۔"

اس تمام کارروائی سے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ دراصل موجودہ اضطراب و بے چینی کا اصلی باعث نام نہاد علماء کی سازشی جماعت (جمعیۃ علماء ہند) جو خفیہ سازشیں نہیں عظیم الشان جلسے طلب کر کے بڑے بڑے پنڈالوں میں کھلم کھلا سازش کرتی ہے حکومت کی سند کے بعد اس تحریک کی کامیابی کو اگر جمعیۃ اپنی ناچیز خدمات شمار کرلے تو حق بجانب سمجھنا چاہیے۔

ہم ذیل میں ترک موالات کے موضوع پر جمعیۃ علماء ہند کی چند اہم تجاویز ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ العلماء ہند نے کس طرح اس ظالم و جابر طاقت کا مقابلہ کیا جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

تجویز نمبر-۱

جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں جس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں:

۱- خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا۔

۲- کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کے لئے رائے نہ دینا۔

۳- دشمنان دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا۔

۴- کالجوں اسکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا۔

۵- دشمنان دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا۔

۶- عدالتوں میں مقدمات نہ لیجانا اور وکیلوں کے لئے ان مقدمات کی پیروی نہ کرنا۔

محرک۔ مولوی حافظ احمد سعید صاحب

مؤید۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب، مولوی داؤد صاحب غزنوی، مولوی محمد داؤد صاحب توحید، مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا عبد الماجد صاحب، مولوی نثار احمد صاحب، مولوی عبد الحکیم صاحب صدیقی، مولوی آزاد سبحانی صاحب۔

تجویز نمبر-۲

جمعیۃ علمائے ہند کا یہ جلسہ ترک موالات کے سلسلے میں طلبہ کے ان اسکولوں اور کالجوں کے چھوڑنے کو جو گورنمنٹ سے امداد حاصل کرتے اور سرکاری یونیورسٹی سے الحاق رکھتے ہیں، شرعی حیثیت سے سمجھتا ہے کہ اور جن طلبہ نے ایسے کالجوں اور اسکولوں کو چھوڑ دیا ہے ان کے اس فعل کو اسلامی احکام کی تعمیل سمجھتا ہے۔

تجویز نمبر-۳

جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ترک موالات کے سلسلے میں تبلیغ کا شعبہ خاص اہتمام سے جاری کیا جائے اور تمام اطراف میں وفود بھیجے جائیں اور مجلس منتظمہ مبلغین و دعاۃ کا جلد سے جلد انتخاب عمل میں لائے۔

تجویز نمبر-۴

جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس نہایت افسوس اور درد کے ساتھ بعض علماء زمانہ کے اس طرز عمل سے مخالفت اور بریت کا اظہار کرتا ہے جنھوں نے ترک موالات جیسے صریح واضح حکم شرعی کے وجوب اور نفاذ سے انکار کیا ہے یا اس بارے میں شکوک و شبہات عارض کئے ہیں۔ نیز اعلان کرتا ہے کہ علمائے ہند ان کے اس فعل کے ذمہ دار نہیں ہیں اور عام مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ ان افراد کے قول و فعل کو عام علماء کا حکم تصور نہ کریں۔

تجویز نمبر-۵

جمیعۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس ان تمام قومی درسگاہوں کے منتظمین اور ارکان کی نسبت جنھوں نے سرکاری اعانت اور سرکاری یونیورسٹیوں کے ساتھ الحاق کے ترک کرنے اور اس بارے میں احکام شرعیہ کی سماعت و اطاعت سے انکار کر دیا ہے، یہ اعلان کرتا ہے کہ انھوں نے اہل اسلام کو چھوڑ کر اعدائے اسلام کا ساتھ دیا ہے۔ پس جب تک وہ اپنے اس فعل سے رجوع نہ کریں تمام مسلمانوں کو ان کی اعانت و امداد سے دستبردار ہونا چاہیے۔ نیز طلبہ اور ان کے سرپرست اور اساتذہ کو ان کالجوں، اسکولوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہیے۔

تجویز نمبر-۶

جمیعۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس ارکان ندوۃ العلماء کے اس کمال جذبۂ حق و صداقت کو جس کی وجہ سے سرکاری امداد لینے سے انھوں نے انکار کر دیا ہے نہایت استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے اور انکے قومی و ملی ایثار کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

(تجاویز اجلاس دوم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ ۹ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بمقام دہلی زیر صدارت شیخ الہند مولوی محمود حسن دیوبندی)

منظور شدہ تجاویز اجلاس سوم

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس فیصلہ کی تصدیق کرتا ہے جو جمعیۃ منتظمہ کے اجلاس منعقدہ دہلی مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۱ء نے فتویٰ کی ضبطی کے بارے میں کیا تھا وہ فیصلہ یہ تھا:

(۱) جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ جمعیۃ کے جس فتوے کو چیف کمشنر دہلی کے اعلان مورخہ ۱۳ جولائی کی بناء پر دہلی میں اور بعض دیگر صوبوں میں بھی ضبط کیا گیا ہے وہ تمام تر شریعت اسلامیہ کے ان احکام پر مشتمل ہے جو تیرہ سو برس سے اپنی یکساں اور غیر مبدل قطعیت کے ساتھ موجود ہیں اور جن کا اعتقاد و عمل

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

بقیہ: تحریک ترک موالات اور جمعیۃ علماء ہند صفحہ ۲۰ سے

اور اعلان ہر مسلمان پر فرض اور ضروری ہے۔ بناء بریں علماء اسلام کسی حالت میں بھی کسی ایسی صورت کو برداشت نہیں کر سکتے جس سے کوئی رکاوٹ ان احکام کی تبلیغ اور اعلان میں پیدا کی جائے۔ علمائے اسلام احکام شرعیہ کی بناء پر مسلمان کا فرض قرار دیتے ہیں کہ ضبطی کی مداخلت سے بے پرواہ ہو کر بدستور اس فتوے کی طباعت واشاعت اور تبلیغ ودعوت میں مشغول رہیں اور ارکان انتظامیہ جمعیت علماء کی جانب سے بھی برابر اس کی تبلیغ واشاعت جاری رکھی جائے۔

(۲) جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس فیصلہ کی تصدیق کرتا ہے جو جمعیۃ منتظمہ کے اجلاس منعقدہ دہلی مورخہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۲۱ء نے کراچی ریزولیوشن کے بارے میں کیا تھا وہ فیصلہ یہ تھا جمعیۃ علماء کی مجلس منتظمہ کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ گورنمنٹ نے مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا حسین احمد، پیر غلام مجدد، ڈاکٹر کچلو اور مولانا نثار احمد کو خلافت کانفرنس منعقدہ ۸، ۹، ۱۰ر جولائی ۱۹۲۱ء کی جس تجویز کی بناء پر گرفتار کیا ہے وہ اسلام کے ان قطعی و مسلم احکام میں سے ہے جو تیرہ سو برس سے موجود ہیں اور خود ہندوستان میں بھی ان کا ہمیشہ اعلان ہوتا رہا ہے۔ مسلمان کسی حالت میں بھی اس کے اعلان ودعوت سے باز نہیں رہ سکتے اور جب تک اسلام باقی ہے اس کے احکام کا اعلان بھی ہوتا رہے گا۔ جمعیۃ علماء تمام مسلمانوں کو دعوت دیتی ہے کہ اس امتحان طلب موقع پر لوائے فرض کے لئے متحد ہو جائیں اور جہاں تک بھی ممکن ہو ہر صورت وہر عنوان سے اس حکم شریعت کا نشر واعلان کر کے اعلائے کلمۃ اللہ میں ساعی رہیں۔

(۳) جمعیۃ علماء کا یہ جلسہ اور فوج کی ملازمت کی نسبت اعلان کرتا ہے کہ: (الف) انگریزی گورنمنٹ کی فوج اور پولیس کی ملازمت کا حرام ہونا صرف اسی حالت پر ہی نہیں ہے کہ فعلاً مسلمانوں کا قتل بھی اس وقت درپیش ہو بلکہ شرعاً اس کے لئے اس قدر کافی ہے کہ انگریزی فوج مسلمان حکومتوں اور آبادیوں کے قتل کے لئے ظلم وفساد کی تقویت کے لئے پامالی حکومت انسانیت و عدالت کے لئے استعمال میں لائی جاتی یا لائی جا سکتی ہو۔ (ب) مسلمانوں کا کسی غیر مسلم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنا جس سے کفر کی شوکت بڑھتی ہے اور اسلام کی قوت کو صدمہ پہنچتا ہے قطعاً حرام ہے اور اس صورت کی حرمت متفق علیہ ہے۔ اس کے جواز کے لئے حیلے ڈھونڈنا اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

محرک۔ مولانا حبیب الرحمن

مؤیدین۔ مولانا شبیر احمد، مولانا محمد فاخر، مولانا محمد اسحٰق مراد آبادی، مولوی محمد نعیم لدھیانوی، مولانا مرتضیٰ حسن، مولوی عبد الحکیم، مولوی عبد الرزاق، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبد القادر، مولانا شاہ رسول پشاوری، مولانا عبد الوہاب، مولانا عزیز گل۔

(تجویز اجلاس سوم جمعیۃ علماء ہند منعقدہ ۱۸ر ۱۹ر ۲۰ر نومبر ۲۱ء بمقام لاہور زیر صدارت، امام الہند مولانا آزاد)

تجاویز منظور شدہ اجلاس مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ ۱۸ر ۱۹ر ۲۰ر اکتوبر ۱۹۲۲ء

بمقام دہلی

تجویز نمبر ۱ میں اجلاس گیا کے متعلق جمعیۃ علماء صوبہ بہار کی دعوت منظور کی گئی:

تجویز نمبر-۲

جمعیۃ منتظمہ کا یہ اجلاس ان تمام حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو صلح ترکی اور جنگ انگورہ ویونان کے دوران میں پیش آئے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مسیحی یورپین طاقتوں میں صرف برطانیہ ہی وہ حکومت ہے جس کا طرز عمل اسلام اور ترکوں کے ساتھ سخت معاندانہ رہا ہے اور جس نے خود غرضی سے دشمنان اسلام کی ہر موقع پر بیجا اور ناحق حمایت کی ہے اور جس کا معترفانہ انکشاف برطانیہ کے وزیر اعظم لائڈ جارج کی تازہ تقریر مانچسٹر سے پورے طور پر ہو گیا ہے۔

پس ایسی حالت میں مسلمانان عالم پر حرام ہے کہ وہ اس معاند گورنمنٹ کو کوئی ایسی امداد بہم پہنچائیں جس کو وہ ترکی سلطنت اور اسلام کے استحصال یا ضعیف کرنے میں استعمال کر سکے۔ جمعیۃ علماء اس شرعی حکم کا اعلان کرتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی سلطنت کو مالی یا فوجی کسی قسم کی امداد ہرگز نہ دیں جو مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے کے درپے ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وہ خود اسی جرم کے مرتکب ہوں گے جس کے دشمنان اسلام مرتکب ہو رہے ہیں۔

جمعیۃ علماء صاف صاف اعلان کر دینا چاہتی ہے کہ کسی دشمن اسلام حاکم کی حمایت میں سامان یا حملہ یا ان کو قتل کرنا یقیناً خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق بننا ہے۔

تجویز مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء ہند مورخہ ۱۸ر ۱۹ر ۲۰ر اکتوبر ۲۲ء

بقیہ: کراچی کانفرنس میں شیخ الاسلامؒ کی تقریر صفحہ ۶ سے

گی۔ میں اس مضمون کو مختصر طور پر عرض کرنے کے بعد میں ایک خاص مضمون کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور میں عنقریب اس بیان کو ختم کر دوں گا۔ زیادہ طویل بیان نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں سے یعنی (عربی آیت پڑھی) جیسا کہ مشرکین جمع ہو کر اور ایک اتحادی اور اجتماعی قوت سے تمہارے ساتھ میں مقابلہ اور لڑائی کرتے ہیں اور جنگ کرتے ہیں۔ اسی طرح سے تم پر اے مسلمانو! فرض ہے کہ خواہ چین کے ہو، خواہ ہندوستان کے ہو، خواہ عرب کے ہو، عراق کے ہو، روم کے ہو، سب اجتماعی صورت سے ان کا مقابلہ کرو۔ آج حالت یہ ہے کہ امریکہ کے عیسائی، انگلینڈ کے عیسائی، فرانس کے عیسائی، اٹلی کے عیسائی اور دوسری جگہوں کے عیسائی مجتمع ہوئے اسلام پر حملہ کر رہے ہیں۔ اس جنگ میں جو کچھ ہوا وہ آپ حضرات نے بہت اچھی طرح سے سنا۔ پھر ایسی صورت میں کیا فرض ہوگا مسلمانان ہند کا اور دوسری جگہ کے مسلمانوں کا۔ وہی فرض ہوگا جو قرآن ابھی بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ تم مجتمع ہو کر ان کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی اور جنگ کرو۔ اور اسلام کو فتح یاب کرنے کی ہر طرح سے صورت کی جائے۔ اگر اس سے مسلمان غافل رہے تو بیشک انھوں نے ایک بہت بڑا انتقام اپنے لئے کمایا ہے جو کہ آخرت میں ان کے لئے کسی طرح سے سرخروئی کا ذریعہ نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ پورے طریقہ سے مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہ خیال کیا جائے کہ ہر شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی جاوے گی کیونکہ (عربی آیت پڑھی) بلکہ یہ بات ضروری ہوگی کہ ہر شخص اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کریں، اسی طرح سے ہندوستان والوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق مقابلہ کریں۔ اسی لئے یہ صورت ابتداء سے اختیار کی گئی ہے کہ نہایت ہی امن اور شائستگی کے ساتھ ہندوستان میں قانون کی حد کے اندر مقابلہ کیا جاوے اور اس کے لئے صورتیں پیدا کی جاویں۔ چنانچہ اب تک جو بھی سعی کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے وہ اس بات کی تھی کہ قانون کی حد کے اندر رہ کر نہایت امن اور شائستگی سے مقابلہ کیا گیا اور اس کی صورتیں تجویز کی گئیں جو کہ آپ حضرات نے مختلف جلسوں میں سن لی ہوں گی۔

مگر آج یہ صورت پیش آئی ہے کہ خوف کیا جاتا ہے اور اعلانات انگلینڈ سے سنائے جاتے ہیں کہ وہ انگورا گورنمنٹ کو جو ایک اکیلی گورنمنٹ مسلمانوں کی باقی رہ گئی ہے اور اس کے ہاتھ میں کسی قدر قوت ہے، جس کو ایک مدت سے یونان ہر طرح سے پیس رہا ہے جس میں یونانیوں کے مظالم اس درجہ اور اس حد تک پہنچ گئے ہیں جس کو وحشیوں کی قومیں بھی کسی طرح سے روا نہیں رکھ سکتی ہیں۔ اس میں برطانیہ اور اس کی متحدہ دولتیں کسی قسم کی احتجاج کی آواز نہیں کرتی تھیں۔ مگر آج اس کے سوا بھی خوف کیا جاتا ہے کہ وہ انگورا گورنمنٹ کو اعلان جنگ دینا چاہتی ہے۔ پھر کیا اس صورت میں مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ جیسا پہلے سے معاملہ کرتے چلے آئے ہیں اسی طرح سے معاملہ کرتے رہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن کے حکم کے موافق تو لازم تھا کہ وہ پورے طور سے جنگ کرتے۔ مگر چونکہ ان کے اندر قوت نہیں ہے اس واسطے اس درجہ میں ایسا کرنا لازم ہوگا۔ مگر وہ امن اور شائستگی کے ساتھ میں امن کو نہ توڑیں مگر یہ لازم ہے کہ جس طرح سے اب تک قانون کی پابندی کی گئی ہے اسی طرح پابندی نہ کی جاوے بلکہ قانون شکنی کے جو قواعد ہیں اس کے مطابق مقابلہ کیا جاوے۔ اور یہ جنگ بھی اسی طرح پر امن اور شائستگی کے ساتھ میں رہے گی۔ فقط اسی معاملہ میں مقابلہ میں زیادتی کی جاوے کہ وہ قانون کی حد میں نہ رہیں بلکہ حد سے بھی باہر ہو جاویں۔ اس لئے میں ان آیات اور ان احادیث کے موافق جو کہ اس باب میں وارد ہوئی ہیں، میں اس مضمون کی جو ابھی پڑھا گیا ہے تحریک کرتا ہوں کہ ضروری ہے مسلمانوں پر کہ تمام فوجوں کو اور تمام لوگوں کو اس بات سے روکیں کہ وہ اتحادیوں کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر انگورا گورنمنٹ پر برطانوی فوجیں حملہ کریں تو وہ قانون شکنی کے ساتھ نہایت امن اور شائستگی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ اور جس قدر قوت صرف ہو سکے اس کو صرف کریں اس لئے میں اپنے اس بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ اکبر

رپورٹ لخت حسنین انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی۔

حاجی عبداللہ برن پوری کا سانحۂ ارتحال

یہ خبر انتہائی رنج وملال کے ساتھ سنی جائیگی کہ مغربی بنگال جمعیۃ علماء کے ریاستی نائب صدر جناب الحاج عبداللہ صاحب برن پوری طویل علالت کے بعد ۷ر اگست ۱۹۹۷ء ۱۱ بجے شب انتقال فرما گئے۔

حاجی صاحب مرحوم ایک عرصہ سے جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی میں بطور مدعو خصوصی شرکت کرتے رہے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ پرانی ہاٹ برن پور ضلع بردوان کے بانی حضرت مولانا احمد اللہ صاحب مجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد سے علاقہ کے اس اہم ادارے کے اہتمام کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

بیعت وارادت کا تعلق حضرت شیخ الاسلامؒ سے تھا اور آپ سے مجاز بیعت بھی تھے۔

حاجی صاحب مرحوم انتہائی مخلص صاحب ورع اور جمعیۃ علماء ہند سے سرگرم تعلق رکھتے تھے اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ نے جو اس وقت یوروپ کے سفر میں ہیں حاجی صاحب مرحوم کے حادثۂ وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے جماعتی احباب ورفقاء مدارس دینیہ کے ذمہ داروں سے بالخصوص اور تمام مسلمانوں سے بالعموم حاجی صاحب مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی اپیل کی ہے۔

میں صرف اسلامی قانون کا پابند ہوں (بقیہ: ص۱۵ سے)

جہاز میں بھر کر اس جنگ میں لڑنے کے لئے بھیجا گیا جس کو ذمہ دار وزراء مثل وزیر اعظم لوونسٹ چرچل وزیر بحریہ نے صلیبی جنگ کہا ہے۔ یہ صلیبی جنگ اب بھی جاری ہے اور اس کو جاری رکھنے کے لئے حکومت نے نئے عیسائی رنگروٹ بھرتی کرلئے ہیں جو یونانی ہیں اور جن کی ترکوں کے لئے ساتھ کوئی لڑائی نہ تھی۔ یہ لوگ اب ترکوں کے خلاف ترکی سرزمین میں لڑ رہے ہیں گورنمنٹ جہاں شرائط التوائے جنگ کی خلاف ورزی اور ترکی پر یونانی حملہ کی ذمہ دار ہے۔ جس میں اس نے علانیہ اور خفیہ مدد کی ہے وہاں ان بے شمار شرمناک مظالم کی بھی وہی ذمہ دار ہے جو یونانیوں نے وہاں کئے ہیں اور جن کی تصدیق اتحادی تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ سے ہوئی ہے۔ اگر ہندوستانی مسلمانوں کے پاس حکومت سے تصفیہ کرنے کے لئے ذرا بھی موثر قوت ہوتی تو اگر وہ مسلمان رہنا چاہتے تو احکام اسلامی کی رو سے حکومت کے خلاف اعلان جہاد کرنے پر مجبور ہوتے اور موجودہ قضیہ کا تصفیہ خاق دینا ہال کی بجائے کسی دوسری جگہ ہو رہا ہوتا۔ اگر ایسی قوت موجود نہ ہو جو ایک قابل افسوس امر ہے تو اسلامی قانون کی رو سے جو لوگ اپنے ملک کو خیرباد کہہ سکتے ہوں ان کو کسی محفوظ جگہ ہجرت کر جانی چاہئے جہاں ان کو مذہبی عقائد کی بنا پر کوئی وکیل سرکار ستانے اور پریشان کرنے والا نہ ہو لیکن ان کا ارادہ یہی ہو کہ پھر واپس آکر اپنے ملک کو آزاد کریں اور خدا کی عبادت کے لئے محفوظ و مامون بنائیں۔

(اس وقت وکیل سرکار نے سٹی مجسٹریٹ کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۴۲ کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ ملزم کو وہ بیان دینا چاہئے جس کا تعلق مقدمہ سے ہو۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ میرے خیال میں بھی یہ بیان ایک تقریر ہے)

مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ خود وکیل سرکار نے کیا کیا ہے، انہوں نے بھی تو مقدمہ پر بحث کرنے کی بجائے افسران پولیس، فوجی جرنیل، اخبار نویس اور رپورٹروں کے ایک مخلوط گروہ کو بلا کر شہادت کو پیچیدہ اور غیر واضح کر دیا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ مجھ پر الزام کیا ہے۔ شہادت اثبات جرم کو سن کر صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ ہم پر ایک ریزولیوشن پاس کرنے کا جرم عائد کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ہمارا مذہبی فرض تھا۔ جو کچھ ہم نے کیا، اپنے مذہبی احکام کے مطابق کیا۔ میرے بھائی کا صرف یہ جرم ہے کہ انہوں نے اس ریزولیوشن کی موافقت میں ہاتھ اٹھایا۔ میں صرف اسلامی قانون کا پابند ہوں، اور اسی قانون کو بیان کرنا میرا مقصد ہے جو میں کر رہا ہوں۔ میں نے مذہبی احکام بیان کرنے سے سرمو گریز نہیں کیا ہے۔ نیز میں نے شاہان انگلستان کے اعلانات کا مذکرہ کیا ہے جو یکے بعد دیگرے انہوں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اہل ہند کو مذہبی آزادی کا یقین دلاتے ہوئے کئے ہیں۔ میرے سامنے دو ضخیم کتابیں رکھی ہیں۔ (ایک کتاب کو ہاتھ میں اٹھا کر) ان میں اعلانات اور اسناد (چارٹر) درج ہیں جو تمہارے تعزیرات ہند سے ٹکراتے ہیں۔ آخر یہ اسناد کیا ہیں؟ کیا یہ بالکل بے معنی ہیں؟ کیا ان کی کوئی قدر نہیں؟ کیا یہ محض کاغذ کے پرزے ہیں؟ اگر وکیل سرکار احکام اسلامی کی تشریح نہیں سننا چاہتے تو صاف کہہ دیں۔ پھر میں دیکھ لوں گا کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کرتے ہیں یا دوسروں کو ملک سے نکال باہر کرتے ہیں۔ ابھی تو مجھے دفعہ ۱۰۵ کے متعلق بھی کچھ کہنا ہے۔

مجسٹریٹ: دفعہ ۵۰۵ ہے ۱۰۵ نہیں

مولانا محمد علی: وارنٹ میں تو ۱۰۵ درج تھی۔

مجسٹریٹ: ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر سمارٹ سے غلطی ہو گئی ہوگی

مولانا محمد علی: اس غلطی کی پاداش میں مسٹر سمارٹ کو تو پھانسی نہیں ملے گی، پھانسی تو مجھ ہی کو ملے گی۔

مجسٹریٹ: مجھ کو آپ کے بیان پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ بہت طویل ہے جتنا آپ اس کو مختصر کہہ سکیں کہہ دیں۔

مولانا محمد علی صاحب نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جون ۱۹۲۰ء میں مرکزی خلافت کمیٹی نے احکام اسلام کی متابعت اور چند مقتدر غیر مسلم ہمدردان کے مشورہ سے ایسا طرز عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جس سے یہ امید بندھی کہ گورنمنٹ کے رویہ کے خلاف اعلان جنگ یا غیر ممالک میں ہجرت کے بغیر ہی ہم جلد آزاد ہو جائیں گے۔

مجسٹریٹ: بیان میں بہت طویل ہے۔

میں پندرہ بیس صفحہ تو لکھ چکا ہوں، اب کتنا باقی ہے۔

مولانا محمد علی: میں اپنے نوٹوں کے چھٹے صفحہ پر ہوں اور یہ کل بیس صفحہ ہیں لیکن ان باقی چودہ میں سے بھی کچھ لکھوا چکا ہوں۔

مجسٹریٹ: آپ اگر باقی لکھ کر داخل کر دیں تو بہتر ہے میں مسل کے ساتھ شامل کر دوں گا۔

مولانا محمد علی: میرے پاس ٹائپ کرنے والا بھیج دیا جائے تو میں اس کو لکھوا دوں گا۔

مجسٹریٹ: میں آپ کے پاس جیل خانہ میں ٹائپ کرنے والا بھیج دوں گا۔

اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر نے ایک طویل بیان تحریری طور پر عدالت میں داخل کیا جس میں قرآن وحدیث کے حوالوں سے انگریزی حکومت کے کسی بھی طرح کے تعاون کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

بقیہ: مولانا حسین احمد مدنی (صلا سے)

ضبطی میں نہیں کی گئی۔ کیونکہ نہیں کی گئی۔ اس سے بڑھ کر مداخلت کیا ہو سکتی ہے' اور اس کا فیصلہ مذہبی علماء سے پوچھنا چاہئے۔

میں یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں جب تک کہ میری جان باقی ہے مذہبی احکام اور صداقت کے اعلان کرنے اور مسلمانوں کو بتلانے سے حتی الواسع باز نہیں رہوں گا' خواہ کتنی ہی بڑی دفعہ اور سزا مجھ پر عائد کر دی جائے۔ میں علانیہ طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ حسب شریعت اسلامیہ اور حسب حکم خدا و رسول کسی مسلمان کو انگریزی فوج اور پولیس میں بھرتی ہونا جائز نہیں، قطعی حرام ہے۔ یہی فتوی پہلے علماء کا ہے اور یہی اس زمانہ کے علماء کا فتوی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی فوج میں رہنا اور دشمنان خدا و رسول کا ساتھ دینا گوارا کرتا ہے تو اپنے فعل کا وہ ذمہ دار ہے۔ قیامت کے دن ہم اپنی برات اور اداء فریضہ اسلامیہ سے سبکدوشی ظاہر کر چکے۔ مگر اس کے ساتھ میں یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اگر گورنمنٹ کا منشاء مذہبی آزادی سلب کرنے کا ہے تو صاف اعلان کیا جائے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کرلیں کہ ان کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ کی رعایا۔ اسی طرح بائیس کروڑ ہندو بھی غور کرلیں کہ ان کو کیا کرنا ہے کیونکہ جب مذہبی آزادی چھینی جائے گی تو سب کی چھینی جائے گی اگر لارڈ ریڈنگ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کو جلا دیں۔ حدیث شریف کو مٹا دیں اور کتب فقہ کو برباد کر دیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہوں گا۔

ہمارا قافلہ آخر کہاں ہے؟

قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوری

نہ جادہ ہے نہ منزل کا نشاں ہے — ہمارا قافلہ آخر کہاں ہے؟
کہیں چادر، نہ شمع ضوفشاں ہے — "شہید ناز کی تربت کہاں ہے"
ضرورت ہی نہیں شرح و بیاں کی — مرا جو حال ہے رخ سے عیاں ہے
نہیں ملتی کڑی سے اک کڑی بھی — بہت مہمل ہماری داستاں ہے
گل زخم جگر مرجھائے ہیں کب — انھیں حاصل بہار جاوداں ہے
چمن میں ہر طرف ہے ہو کا عالم — یہ فصل گل ہے یا دور خزاں ہے
نوازش ہو گئی برق تپاں کی — مثال طور میرا آشیاں ہے
رضائے دوست میں ہم ہیں تو راضی — بہر صورت مرا دل شادماں ہے
گل داغ تمنا ہیں شگفتہ — ہمارا دل تو رشک گلستاں ہے
مٹایا ہے اسی گردش نے ہم کو — یہی گردش ہماری پاسباں ہے
سبھی منہ دیکھے کی کرتے ہیں باتیں — جہاں میں کون کس کا رازداں ہے

جھکائے کوئی حافظؔ میرے سر کو
کسی شہ زور میں ہمت کہاں ہے

بقیہ: مقدمہ کلکتہ ص۱۷ سے

جائے کہ ایسے کہنے سے انسان جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے اور حق کے ابھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ حقیقت کا قانون نہ تو طاقت کی تصدیق کا محتاج ہے، نہ اس لئے بدلا جا سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گذرتی ہے۔ وہ تو حقیقت ہے اور اس وقت بھی حقیقت ہے جب اس کے اعلان سے ہمیں پھولوں کی سیج ملے اور اس وقت بھی جو اب کے اظہار سے ہمارا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے، صرف اس لئے کہ ہمیں قید کر دیا جائے گا، آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا ہو سکتی۔

حق کی حمایت کو کیا ہوا؟

استاد الشعراء ڈاکٹر اوم پرکاش اگروال زارؔ علامی، کرنال

کم کم ہے کیوں یہ درد کی شدت کو کیا ہوا — اے حسن تیری چشم عنایت کو کیا ہوا
خاموش کیوں ہے، حق کی حمایت کو کیا ہوا — منصور وقت، یہ تری فطرت کو کیا ہوا
راہ حیات میں تو بہت تیز گام تھی — رفتار وقت، اب تیری سرعت کو کیا ہوا
اک ایک رگ میں ہو گیا ہے منجمد لہو — اے گرمی وفا تری حدت کو کیا ہوا
الفت کی منزلوں میں نظر مصلحت پہ ہے — اے راہی جنون تری غیرت کو کیا ہوا
زنداں میں آج شور سلاسل کیوں نہیں — دیوانگان شوق کی وحشت کو کیا ہو
آخر یہ لوگ کیوں نہیں پہچانتے مجھے — گردش کے آتے ہی مری صورت کو کیا ہوا
بیزار زندگی سے ہوا جا رہا ہوں میں — اے درد آرزو تری لذت کو کیا ہوا

بیگانہ وار اپنوں سے بھی پھیر لی نظر
اے زارؔ تیرے شیوۂ الفت کو کیا ہوا

بقیہ: ترک موالات کا وہ فتویٰ جس نے برطانوی سامراج کی نیند حرام کردی صـ۵ سے

، حب جاہ، ہوا پرستی، احکام شرعیہ سے بے اعتنائی و لاپرواہی وغیرہا ہے اور یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ پس باصول اسباب المعصیہ معصیہ اس تعلیم و تعلم سے علیحدگی واجب۔

ج: اسکولوں کالجوں کی تعلیم موجب ترک فرض عین ہے۔ اس لئے کہ علم دین بقدر ضرورت جس کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مروجہ تعلیم کے ہوتے ہوئے عادۃً غیر ممکن ہے۔

د: مدارس اسلامیہ عربیہ میں جو کہ زیر اثر حکومت ہیں (خواہ کل اخراجات حکومت کے ہوں یا حکومت کی تھوڑی امداد ہو، خواہ محض اخلاق ہی ہو، علاوہ مفاسد مذکورہ ایک خاص مفسدہ یہ ہے کہ طلب و تحصیل علم دین محض دنیا کے لئے ہوتی ہے۔ جو شرعاً حرام ہے۔ اسی طرح ایسے مدرسے کے مدرسین کی ملازمت بھی کہ یہ خود معصیۃ علی المعصیۃ ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

قبول امداد (گرانٹ یا ایڈ) کے حرام ہونے کے متعدد وجوہ

الف: یہ معاملہ اسباب موالات سے ہے جو حالت موجودہ میں حرام ہے۔

ب: تعلیم کا اصل مطلب فوت ہو جاتا ہے جس سے مفاسد مذکورۂ سابق پیدا ہوتے ہیں اس لئے باصول المفضی الی المعصیۃ معصیۃ۔

ج: شدت غلظت جو دشمنان اسلام کے ساتھ رکھنا واجب ہے وہ قبول اسلام سے باقی نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم الخ۔ (ترجمہ) اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد اور ان پر سختی کرو۔ (سورۂ براۃ)۔

بعض مشرکین کے ہدایہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واپس کرنا اسی محمول پر ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں مصرح ہے۔

آنریری مجسٹریٹی و اعزازی عہدے بوجوہ ذیل حرام ہیں

الف: ان عہدوں سے گورنمنٹ ہند کی مدد ہوتی ہے جو شرعاً حرام ہے۔

ب: اس سے گورنمنٹ ہند کے قوانین (جو بالکل مخالف شرع ہیں) کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الظلمون۔ (ترجمہ) یعنی غیر شرعی فیصلہ کرنے والے ظالم ہیں۔

ج: ان عہدوں کی وجہ سے بسا اوقات مداہنت فی الدین کرنی پڑتی ہے۔

خطابات گورنمنٹ کے رکھنا بوجوہ ذیل حرام ہیں

الف: خطابات اسباب و ذرائع موالات محرمہ ہیں۔ اس لئے ان کا رکھنا موالات کے حکم میں داخل ہے۔

ب: اسباب خطابات کو حکام (دشمنان دین) سے میل جول ان کی تعظیم و تکریم ضرور کرنی پڑتی ہے جو حرام ہے۔

ج: اصحاب خطابات اعدائے دین سے عزت و جاہ کے طالب ہوتے ہیں جو شرعاً مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعاً۔ (سورہ نساء) (ترجمہ) یعنی کیا لوگ کفار کے نزدیک عزت چاہتے ہیں حالانکہ کل عزت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

د: خطاب یافتہ خواہ کتنے ہی روزہ و نماز کا پابند ہو شدت علی المعاندین اس میں باقی نہیں رہتی جو ایک دینی فرض ہے جیسا کہ گذرا۔

☆جواب نمبر ۳: گورنمنٹ کی جملہ ملازمتیں جن سے ان کی اعانت ہوتی ہے حرام ہے۔ بالخصوص پولیس اور فوجی ملازمت۔ یہ بدترین معصیت ہے کیونکہ ان کو اپنے مسلمان بھائیوں پر گولیاں چلانی پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاء ہ جھنم خالداً فیھا۔ الآیہ (سورۂ نساء) (ترجمہ) یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً (جان بوجھ کر) قتل کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ عذاب دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: من حمل السلاح علینا فلیس منا۔ مبسوط امام سرخسی جلد عاشر میں ہے کہ اگر کافر بادشاہ پر کسی دوسرے کافر بادشاہ نے حملہ کیا ہو تو ایسی صورت میں مسلم رعایا کا اپنے کافر بادشاہ کی طرف سے قتال کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے شرک و کفر کی شوکت و عظمت ہوگی جس کی اعانت حرام ہے۔ انتہی۔

☆جواب نمبر ۴: بیشک دشمنان اسلام (انگریزی قوم) کا مال خریدنا یا ان کے ہاتھ بیچنا جس سے ان کو قوت حاصل ہو ممنوع و ناجائز ہے۔ فقہائے کرام حربی اقوام کے ہاتھ اسلحہ کی بیع کو ناجائز کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حکم اسلحہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جن اشیاء سے دشمنوں کو قوت حاصل ہو ان سب کی بیع ناجائز ہے مثل لوہا وغیرہ۔ پس بنظر تعلیل مذکور انگریزی مال مقاطعہ ایک دینی مذہبی امر ہے کیونکہ موجودہ زمانہ میں ہمارے دشمن کو جو قوت تجارت سے حاصل ہوتی ہے وہ اس قوت سے کہیں زیادہ ہے جو نفس بیع حدید سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر جن چیزوں سے احتراز معتذر ہو اور دیگر مقاصد ملی میں بغیر ان کے چارۂ کار نہ ہو تو ان کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے باصول من ابتلیٰ ببلیتین فلیختر اھون ھما اور الضرورت تبیح المحذورات۔

☆جواب نمبر ۵: بیشک ایسے غیر مسلم سے جو مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہو ملکی و تمدنی ربط و اتحاد شرعاً جائز ہے۔ ان کے ساتھ عدل و انصاف درست اور بر و احسان مناسب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم عن تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔ (ترجمہ) حق تعالیٰ تم کو ایسے کافروں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنھوں نے تمھارے ساتھ مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا، بیشک خدا تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ لیکن فرط جوش اتحاد میں مسلمانوں کو کوئی ایسا امر نہیں کرنا چاہئے جو غیر مشروع ہو ورنہ ایسا اتحاد جس سے دیگر مفاسد پیدا ہوں ناجائز ہے۔ ان امور میں فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے: درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح اذا تعارضت مصلحۃ و مفسدۃ قدم دفع المفسدۃ غالباً لان اعتناء الشرع بالمنھیات اشد من اعتنائہ بالمامورات۔ (الاشباہ والنظائر)

(ترجمہ) مصلحتوں کی رعایت کے اعتبار سے مفاسد کا دفع کرنا اولیٰ ہے اور جب کوئی مصلحت اور مفسدہ متعارض ہو تو اکثر دفعہ مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لئے منہیات سے روکنے کی طرف شرع کی توجہ زیادہ ہے باعتبار توجہ بالمامورات کے۔

اور ایسے غیر مسلم سے مذہبی امور میں مدد لینا شرعاً جائز ہے۔ کتب فقہ کے ابواب قسمت غنائم میں بصراحت مذکور ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر میں یہود کے مقابلہ میں بعض دیگر یہود سے مدد لی۔ غزوۂ حنین میں صفوان ابن امیہ مشرک سے مدد لی۔ والتفصیل فی فتح القدیر وغیرہ۔

☆جواب نمبر ۶: کسی غیر مسلم کا مشورہ نیک جو اغراض و مصالح شریعت کے منافی نہ ہو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے اور یہ درحقیقت خدا و رسول کے احکام کی پیروی ہے۔ فقہائے کرام نے بوقت جہاد دشمنوں پر حملہ کرنے میں مشرکین کی رہنمائی کو جائز لکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکمت مؤمن کی گمشدہ چیز ہے جہاں پائے لے لے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ہاں مشرکانہ خواہشات کا اتباع ناجائز و حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولئن اتبعت اھواء ھم من بعد ماجاءك من العلم انك اذاً لمن الظلمین۔ مگر یہ واضح رہے کہ بحق مسلم کسی غیر مسلم کی سیادت کلی یا جزئی ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً۔

والتفصیل فی التفسیرات الاحمدیۃ للملا جیون وغیرھا فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ

بقیہ: علماء دیوبند اور تحریک آزادی صـ۲۴ سے

کریں تو مسلمانوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ اس مسئلہ کا کوئی پرامن حل نکل جائے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عالم نے حضرت مولانا سے مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی تو وہ اس مخصوص درخواست سے بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ کیا غیر مسلم خدا کی مخلوق نہیں ہیں کہ میں ان کے لئے دعا نہ کروں۔ ان کا علاقائی قومیت اور یکساں شہریت میں یقین تھا۔ علماء کا متحدہ قومیت کا تصور سیکولرزم اور باہمی تعاون پر مبنی تھا۔

ہندوستان اور دیگر ممالک کے خصوصاً مسلم ممالک کے درمیان ثقافتی، سیاسی اور معاشی تعلقات قائم کرنے میں دارالعلوم دیوبند کا کلیدی رول رہا ہے۔ مسلم ممالک سے جو اہم شخصیات ہندوستان کے دورے پر آتی ہیں وہ دارالعلوم ضرور جاتی ہیں۔ مہتمم صاحب جب کبھی ہندوستان سے باہر جاتے ہیں تو وہ جو تقاریر کرتے ہیں ان سے وہاں کے لوگوں کو ہندوستان کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ دارالعلوم نے اردو کی بقاء کے لئے بھی کافی کچھ کیا ہے۔ اس نے اردو کو بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے پھیلانے میں اہم رول ادا کیا۔

سیاست کے میدان میں بھی علماء دیوبند کی قابل قدر خدمات ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ ہندوؤں کے شانہ بشانہ قومی تحریک میں حصہ لیں۔ ایسا کرنا نہ صرف سیاسی طور سے ضروری ہے بلکہ ایسا کرنے کی اجازت مذہب کی طرف سے بھی ہے۔ انھوں نے انگریزی جابر حکومت کے خلاف ہندو اور مسلمانوں کو متحد ہونے کو کہا۔ علماء کی حمایت نے ہی عوامی سطح کے لیڈروں کو چوٹی کا لیڈر بنایا۔ خود کانگریس اس وقت تک بے جان تھی جب تک خلافت کمیٹی نے اس میں جان نہیں ڈال دی۔ علماء دیوبند نے اس بات کا پختہ عزم کر لیا تھا کہ وہ اس لڑائی کو اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک انگریزوں کی غلامی کا جوا ہٹا کر پھینک نہیں دیا جاتا۔ لیکن انھوں نے اپنی کوششوں کو قوم پرست طاقتوں کے ساتھ ملا دیا۔ آزادی کے بعد آج بھی مسلم عوام ان کی مذہبی اپیلوں کی طرف خصوصی توجہ اور اہمیت دیتے ہیں۔ خلافت تحریک، عدم تعاون، سول نافرمانی جیسی تحریکیں خالص علماء کی دین ہیں۔

سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا ایک مذہبی فریضہ بن گیا تھا۔ غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ صرف ایک سیاسی اور معاشی ہتھیار ہی نہیں تھا بلکہ شریعت کے ذریعہ نافذ کیا گیا ایک فرض تھا۔ علماء دیوبند اسلام کی کلیت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کا یقین تھا اور انھوں نے بار بار یہ کہا بھی کہ اسلامی تعلیمات نہایت ہمہ گیر ہے۔ ان سے ہماری روزمرہ کی زندگی میں رہنمائی ملتی ہے۔ اس لئے سچے مسلمان کو کسی بھی ایسے صاحب اقتدار کا حکم نہیں ماننا چاہئے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف عمل کرنے کو کہے۔ اسلام اور قومی خواہشات کو ملا کر انھوں نے متحدہ قومیت کا تصور پیش کیا جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندوستان میں رہنے والے سبھی ہندوستانی بلا تفریق مذہب و ملت ملک کے شہری ہوں گے جس کو بنیادی حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی اور اس طرح یہ سب ایک قوم کا جز ہوں گے۔ جہاد کی نئی توضیح یہ کی گئی کہ عدم تعاون کے ذریعہ انگریزی حکومت کی مزاحمت جاری رکھی جائے۔ آزادی کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھا اور نئے نئے مسائل اور فتنوں سے ان کی حفاظت کی۔

واقعی ہندوستان کی تحریک آزادی اور ہندوستان کے تہذیبی ارتقا میں دارالعلوم دیوبند کا مقام بہت اونچا ہے، اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ☆☆☆

ALJAMIAT (WEEKLY) NEW DELHI 15-8-97 R.N.I.NO.-38985/82
Postal Registration No-DL-11052/97

علمائے دیوبند، دارالعلوم اور تحریک آزادی

پروفیسر
آئی۔ ایچ۔ انصاری

عرب کے عالموں نے دارالعلوم دیوبند کے عالموں کی بڑی قدر کی اور خواہش ظاہر کی کہ اس علم کا پھیلاؤ پوری دنیا میں کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۱۹۳۰ء کے آس پاس مولانا حسین احمد مدنی نے کہا تھا کہ آج کے دور میں قومیں زمین کے خطوں سے بنتی ہیں اس لئے" انوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دیگر برادران وطن کے ساتھ مل کر اپنے وطن بھارت کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کرائیں۔ پاکستان کی مانگ بھی مسترد کردی گئی کیونکہ علماء مغرب زدہ دانشوروں اور مسلم لیگ کی قیادت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی کا خیال تھا کہ مجوزہ ملک پاکستان دفاع اور معاشی طور سے خود کفیل نہیں ہوگا اور اسے انگلینڈ اور روس کی فوجی مدد اور غیر ملکی کرنسی پر انحصار کرنا پڑے گا۔ قیام پاکستان سے مسلمان تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان اور وہ مؤثر مسلمان جو تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ مجموعی طور سے یہ اسکیم مسلمانوں کے لئے بہت ہی مہلک ہے۔ اس سے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے اور تبدیلی مذہب کا راستہ بھی کھل جائے گا۔ ان کو ڈر تھا کہ پاکستان بجائے ایک اسلامی حکومت کے ایک سیکولر ملک بن جائے گا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندو اکثریتی صوبوں میں رہنے والے مسلمانوں کو ایک سیکولر ملک کے لئے قربان کر دیں۔ اس سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ متحد رکھنے کے لئے ہندوؤں کے ساتھ مل کر جدوجہد کی جائے اور ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے مذہبی آزادی اور معاشی ترقی کے امکانات تلاش کئے جائیں۔

تقسیم ہند کی لہر کے دوران مولانا حسین احمد مدنی نے بہت زیادہ دورے کئے اور دل کو چھو لینے والی تقریروں سے یہاں کے مسلمانوں کو پاکستان جانے سے روکا۔ علماء دیوبند نے اسلامی تعلیمات کو نہایت سادہ و قابل عمل انداز میں پیش کیا۔ ان کے نظریات کا ماخذ قرآن اور سنت تھا اور ہر وہ بات جو ان دونوں کے خلاف تھی وہ غیر اسلامی تھی۔ انھوں نے اسلامی کلچر کی وضاحت مدلل انداز میں کی۔ وہ اس تہذیب اسلامی کی خود ایک زندہ مثال بن گئے تھے۔ انھوں نے ایسے بہت سے فضلاء تیار کئے جنھوں نے مسلمان عوام میں اسلامی بیداری کی لہر پیدا کی اور معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ان لوگوں نے اپنے علم کو مسلمانوں میں اردو میں پھیلایا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ علم کو قائم رکھنا اور اسے ترقی دینا ہر مسلمان عورت اور مرد کا فرض ہے۔

انھوں نے لوگوں سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ اپنے خیالات، الفاظ اور کاموں کا محاسبہ کریں کہ کیا وہ مذہب کے مطابق ہیں یا نہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ غلط کاموں سے پرہیز کریں اور انسانیت کی بھلائی کو ہمیشہ سامنے رکھیں۔ اس طرح علماء نے ان کو وہ راستہ دکھلایا جس سے وہ خود اچھے برے میں فرق کر کے اچھے راستہ پر چل سکیں۔ ان علماء نے تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور جیسی کتابیں لکھیں جو مسلمانوں کی گود سے گور تک رہنمائی کرتی ہیں۔ انھوں نے بیواؤں کی شادیوں کے لئے کام کیا۔ بچپن میں ہونے والی شادیوں کو روکا اور شوہر کا استطاعت کے مطابق مہر پر زور دیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ قرآن اور حدیث کی حیثیت قانون کی ہے جن کو نہ تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مسترد اور موخر کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے دین اور شریعت کو مذہبی اصولوں کے مطابق نہ صرف مدلل اور منطقی بنایا بلکہ علمی اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے اسے عوام میں مقبول بھی بنایا۔ ان لوگوں نے تقلید محض کے تصور کو فروغ دیا تاکہ لوگ کسی مستند عالم پر یہ اعتماد کر سکیں کہ وہ اسلامی قوانین تک ان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔

علمائے دیوبند کی لگاتار کوششوں سے انگریزوں نے وقف ایکٹ ۱۹۳۱ء پاس کیا جس کے تحت وقف کے حق کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس سے قبل ۱۹۱۷ء میں انھوں نے مانٹیگو اور جیمس فورڈ کو مختلف پہلوؤں پر مبنی ایک دس نکاتی میمورنڈم پیش کیا تھا۔ انھوں نے دیگر علماء کے ساتھ چائلڈ میرج ایکٹ کے نکات کی اس لئے مخالفت کی کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ اس سے برطانوی حکومت کو شریعت اسلامی میں مداخلت کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اصلاح معاشرہ کے تحت انھوں نے خود بچوں کی شادیوں کے سلسلے کو ختم کرنے کی ایک زبردست کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنے کے لئے قیادت انھیں میں سے پیدا ہو نہ کہ انگریزی حکومت سے۔ انھوں نے شریعت ایکٹ کی منظوری اور مسلم میرج ایکٹ کو کالعدم قرار دیئے جانے کی حمایت اس امید سے کی تھی کہ شاید یہ کام قاضی کے زیر نگرانی انجام دیئے جائیں گے۔ اگر ایک مسلمان عورت کسی غیر مسلم جج سے طلاق کی سند حاصل کر کے کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرتی ہے تو وہ زنا کی مرتکب مانی جائے گی۔ ان مسائل سدباب کے لئے علماء دیوبند نے دارالقضا قائم کیا۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک کتاب "حیلہ فاجرہ" کے نام سے شائع ہوئی جس میں خواتین کو ان کے ظالم شوہروں کے چنگل سے نکالنے کا اسلامی طریقہ پیش کیا گیا ہے۔ دارالعلوم سے وابستہ قاری محمد طیب صاحب، سید منت اللہ رحمانی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اعلان کیا تھا کہ اسلامی شریعت کی یہ وضاحت پہلے سے قائم اصولوں کے دائرے میں سلف کے قائم کردہ معیار کے مطابق ہونی چاہئے۔ کسی مخصوص دور میں نئے حالات اور تقاضوں کے تحت نئے مسائل کا ابھرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ایسا اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور اس وقت کے علماء کرام نے اس کا حل مذکورہ بالا طریقوں کی روشنی میں نکالا ہے۔ نئے زمانے کے علماء نے بھی نئے مسائل سے نظریں نہیں چرائی ہیں۔ نئے مسائل اور ان کے سدباب کے لئے بہت سی کتابیں شائع کی گئیں اور ان کو پورے ہندوستان میں پھیلا دیا گیا جن پر پوری دنیا کے علماء کا اتفاق تھا۔ جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کی مخالفت کی۔ انھوں نے اس طرح کی ناپاک کوشش کو اس متحدہ قومیت کو برباد کر دینے والا بتایا جس کی وجہ سے ہندوستان میں کثرت میں وحدت پائی جاتی ہے۔

دلی، میرٹھ، خورجہ، بلند شہر، سہارنپور، مظفرنگر، مرادآباد، بریلی، امروہہ، علی گڑھ، روڑکی اور بجنور میں بہت سے مدرسے قائم کئے اور ان کو ترقی دی۔ دارالعلوم کے فارغین نے پورے ملک میں مدرسے قائم کئے۔ اس طرح مفت تعلیم کا تصور سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند نے پیش کیا تھا۔ یہاں تعلیم ہی نہیں کتابیں، ڈریس اور کھانا بھی مفت دیا جاتا ہے۔ عرب کے عالموں نے دارالعلوم کے عالموں کی بڑی قدر کی اور خواہش ظاہر کی کہ اس علم کا پھیلاؤ پوری دنیا میں کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ اسلام کی صحیح خدمت تھی جو انھوں نے انجام دی۔ یہ لوگ معتمد، ایماندار اور اچھے کردار والے تھے۔ ان کا مسلمانوں میں بہت اثر تھا اور یہ لوگ بہت مقبول تھے۔ آج دارالعلوم کے فارغ ملک کے ہر کونے میں پائے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں ان کا بہت اثر ہے۔ دارالعلوم سے فارغ ہونے والوں میں ملک کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے پندرہ ہزار سے زائد افراد ہیں جن میں تقریباً پانچ ہزار فضلاء کا تعلق غیر ممالک سے ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً ایک لاکھ طالبین نے دوسرے خصوصی کورسوں کی تعلیم حاصل کی۔

دارالعلوم اسلامی علوم کے ایک بہترین مرکز کے روپ میں ابھرا ہے۔ اس کے نصاب، طریقہ تعلیم اور انتظام کی تقلید نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ممالک میں بھی کی جاتی ہے۔ علماء دیوبند نے دیگر برادران وطن کے ساتھ مشترک سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لے کر ملک کے اتحاد اور قومی یک جہتی کے لئے لگاتار خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا محمود حسن، مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی نے ہندو مسلم اتحاد کی نہ صرف وکالت کی بلکہ اس کے لئے پوری پوری کوشش بھی کی۔ انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ ان غلط فہمیوں کو دور کیا جو اسلام کے تعلق سے دوسروں کے دلوں میں موجود تھیں۔ دارالعلوم سے نکلنے والے ایک رسالے "القاسم" میں ایسے مضامین کثرت سے شائع کئے جاتے تھے جن میں اس بات کی وضاحت ہوتی تھی کہ اسلام نرم روی، حسن اخلاق اور کردار کی بلندی سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے زور سے۔ بعد میں یہ مضامین کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ ان علماء نے آریہ سماجی ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مذاکرے اور مناظرے بھی کئے تاکہ ان کے دل سے اسلام کے تعلق سے جو شکوک ہیں ان کو دور کیا جا سکے۔ آزادی سے پہلے کے دور میں مولانا حسین احمد مدنی نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ درگذر اور قوت برداشت سے کام لے کر مل جل کر رہنا چاہئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو یہ بھی سمجھایا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان کو غیر مسلموں سے غیر ضروری جھگڑوں سے بچنا چاہئے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اشتعال دلائیں یا محاذ آرائی کرنے کا ارادہ

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی
طابع و ناشر : مولانا اسجد مدنی
مدیر : محمد حنیف دانشگار
ملکیت : جمعیۃ ٹرسٹ سوسائٹی
مقام اشاعت : مدنی ہال
۱ بہادر شاہ ظفر مارگ
نئی دہلی
مطبوعہ : اجتماع آفسیٹ اینڈ پیکیجنگ پریس
دہلی